ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

36

www.tanzeem.org

10 تا 16 ستمبر 2013ء / یکم تا 7 ذوالقعدۃ 1434ھ

اس شمارے میں

امریکا کا شام پر حملہ؟

غزوۂ اُحد

آخری فتح مری ہے......

مصر کی سنگین صورتحال: لمحۂ فکریہ

پاکستان میں انسدادِ سود کی کاوشیں

قوم ممنون حسین کی ممنون ہوگی اگر......

سید قطب شہید

”مسلمانوں کی قوت کیسے توڑی جائے“

مشرقِ وسطیٰ: تیسری عالمی جنگ کا میدان

احادیث سے تو یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہی ہے کہ ان جنگوں کا میدان مشرقِ وسطیٰ بنے گا، عالمی حالات اور واقعات بھی ایک عرصہ سے اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ آئندہ جنگ عظیم یعنی اس صدی کی تیسری عالمگیر جنگ یورپ میں نہیں، مشرقِ وسطیٰ میں لڑی جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس علاقے میں موجود امتِ مسلمہ یعنی امتِ محمد ﷺ کا افضل تر حصہ یعنی ”اُمیّین“ یا عرب مسلمان تو چودہ سو برس سے آباد ہیں ہی، اس صدی کے آغاز سے سابقہ اور معزول شدہ امتِ مسلمہ یعنی یہودیوں کی بھی از سرِ نو آبادکاری زور شور کے ساتھ شروع ہوگئی تھی، جو عنقریب اپنے کلائمیکس کو پہنچ جائے گی اور پوری دنیا سے تمام یہودی کشاں کشاں یہیں آ کر آباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان عظیم جنگوں یا سلسلۂ ملاحم کے ذریعے ہولناک تباہی کی صورت میں اللہ کے قانونِ عذاب کے مطابق شدید ترین کوڑے ان ہی دونوں پر پڑیں گے۔ لیکن ان کے مابین بالآخر ایک عظیم فرق و تفاوت ظاہر ہوگا۔ یعنی سابقہ معزول، مغضوب، اور ملعون امت یہود پر تو اللہ کے اس ”عذابِ اکبر“ کے فیصلے کا نفاذ ہوگا جس کی مستحق وہ حضرت مسیحؑ کی رسالت کے انکار اور آنجنابؑ کو اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھوا دینے کی بناء پر اب سے دو ہزار برس قبل ہو چکی تھی لیکن جس کے نفاذ کو ایک خاص سبب سے مؤخر کر دیا گیا تھا، چنانچہ اب اسے ان ہی حضرت مسیحؑ کے ذریعے اور مسلمانوں کے ہاتھوں نسیاً منسیا اور نیست و نابود کر دیا جائے گا، بالکل جیسے حضرات نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی اقوام اور آلِ فرعون اپنی اپنی جانب بھیجے جانے والے رسولوں کی نگاہوں کے سامنے ہلاک کیے گئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس چونکہ موجودہ امتِ مسلمہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی امت ہے اور آنحضور ﷺ کے قول کے مطابق خود آخری امت کی حیثیت رکھتی ہے، مزید برآں وہ صرف ایک نسل پر مشتمل نہیں بلکہ ”ملٹی نیشنل“ امت ہے، لہٰذا اسے اس کے جرائم کے بقدر سزا دینے کے بعد توبہ کی توفیق اور اصلاح کا موقع عنایت کر دیا جائے گا، جس سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور دینِ حق کے غلبے کا دورِ ثانی شروع ہوگا جو اس بار پورے عالمِ انسانی اور کل روئے ارضی کو محیط ہوگا، جس کی صریح اور واضح خبریں دی ہیں جنابِ صادق و مصدوق ﷺ نے۔

مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

الھدیٰ (578)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُورۃ اِبْراھِیْم

(آیات 28 تا 31)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

آیت ۲۸ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ کُفۡرًا﴾ ’’کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا کفر سے‘‘

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی نعمت سے نوازا تھا‘ مگر انہوں نے ہدایت ہاتھ سے دے کر ضلالت اور گمراہی خرید لی۔ اللہ‘ اس کے رسولﷺ اور اس کی کتاب سے کفر کر کے انہوں نے اللہ کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔ ﴿وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَہُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾﴾ ’’اور انہوں نے اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں۔‘‘

جیسے سورۂ ہودؑ آیت ۹۸ میں فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آئے گا اور اس پورے جلوس کو لا کر جہنم کے گھاٹ اتار دے گا۔ اسی طرح تمام قوموں اور تمام معاشروں کے گمراہ لیڈر اپنے اپنے پیروکاروں کو جہنم میں پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾﴾ ’’یہ (دار البوار) جہنم ہے‘ وہ اس میں داخل ہوں گے‘ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کے مدمقابل (شریک) ٹھہرا دیے ہیں تا کہ گمراہ کریں لوگوں کو اُس کے راستے سے۔‘‘

یعنی انہوں نے جھوٹے معبودوں کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تا کہ لوگوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر گمراہ کر دیں۔ ’’اَنۡدَاد‘‘ جمع ہے ’نِد‘ کی‘ اس کے معنی مدمقابل کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا﴾ ’’تو اللہ کے مدمقابل نہ ٹھہرایا کرو‘‘۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضورﷺ سے محاورۃً عرض کیا: مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئۡتَ ’’جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں‘‘ تو آپﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((أَجَعَلۡتَنِي لِلّٰہِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ)) (۱) ’’کیا تو نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا؟ (بلکہ وہی ہو گا) جو تنہا اللہ چاہے!‘‘ یعنی مشیت تو اللہ ہی کی ہے‘ جو ہو گا اسی کی مشیت اور مرضی سے ہو گا۔ اختیار صرف اُسی کا ہے‘ اور کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ﴿۳۰﴾﴾ ’’آپؐ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھا لو‘ پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ’’آپؐ کہیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں‘‘

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ سے رسول اللہﷺ کو مخاطب کر کے اہل ایمان کو بالواسطہ حکم دیا جا رہا ہے اور یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ سے اہل ایمان کو براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پورے مکی قرآن میں یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ سے براہِ راست مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا۔ (سورۃ الحج میں ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں مگر اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔) اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی ہے وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کا طرزِ خطاب اُمت کے لیے ہے اور مکی دور میں مسلمان ابھی ایک اُمت نہیں بنے تھے۔ مسلمانوں کو اُمت کا درجہ مدینہ میں آ کر تحویل قبلہ کے بعد ملا۔ پچھلے دو ہزار برس سے اُمتِ مسلمہ کے منصب پر یہودی فائز تھے۔ انہیں اس منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہﷺ کی اُمت کو اُمت مسلمہ کا درجہ دیا گیا اور تحویل قبلہ اس تبدیلی کی ظاہری علامت قرار پایا۔ یعنی یہودیوں کے قبلہ کی حیثیت بطورِ قبلہ ختم کرنے کا مطلب یہ قرار پایا کہ انہیں اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں سے خطاب اس کے بعد شروع ہوا۔

﴿وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں خفیہ اور علانیہ‘ اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔‘‘ یہ آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۴ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وہاں بیع اور دوستی کے علاوہ شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خُلَّۃٌ وَّ لَا شَفَاعَۃٌ ؕ﴾ ۔ یعنی اُس دن سے پہلے پہلے ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کر لو جس میں نہ کوئی بیع ہو گی‘ نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کسی کی شفاعت فائدہ مند ہو گی۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

10 تا 16 ستمبر 2013ء — جلد 22
یکم تا 7 ذوالقعدۃ 1434ھ — شمارہ 36

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36313131
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان

انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکا کا شام پر حملہ؟

آسمان دنیا پر اس وقت جس جنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں، ہمارے بعض تجزیہ نگار جنگ کے اسباب اور اس میں ہونے والی صف آرائی کو انتہائی پیچیدہ قرار دے رہے ہیں۔ جنگ کا سبب شامی حکومت کا اپنے عوام پر ظلم و ستم اور کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال بتایا جا رہا ہے۔ ہماری رائے میں اس میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں ہے، بات کسی قدر واضح ہے۔ اصل ایجنڈا اسرائیل کا تحفظ ہے، اسی پر امن عالم کا انحصار ہے۔ شیطانِ بزرگ امریکا اور یورپ کے اکثر ممالک جب سے اسرائیل معرض وجود میں آیا ہے اس کی سلامتی کے محافظ بن کر دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسرائیل کی سلامتی کا تحفظ ان ممالک خصوصاً امریکا کی ایک ایسی ذمہ داری بن چکی ہے یا بنا دی گئی ہے کہ یہ کہنا قطعی طور پر مبالغہ نہ ہوگا کہ امریکا کے مقتدر حلقے بعض اوقات امریکی مفاد کو پس پشت ڈال کر اسرائیل کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ امریکا کی عسکری قوت اور حاصل کردہ جدید ترین ٹیکنالوجی کو اسرائیل کو لاحق بڑے اور چھوٹے، دور و نزدیک کے خطرات اور خدشات کو نیست و نابود کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

جمال عبدالناصر اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے سے پہلے انور السادات کا مصر اسرائیل کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ امریکی قوت، دولت اور سیاسی حکمت عملی کے بھرپور استعمال سے آج مصر اس حوالہ سے سجدۂ سہو کر چکا ہے، اسرائیل کا بہترین اور بااعتماد دوست ہے۔ صورتحال اسی رخ پر آگے بڑھتی رہی تو مستقبل قریب میں دوستی کا یہ رشتہ آقا اور غلام کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ عراق نے بھی کچھ پر پرزے نکالنے کی کوشش کی تھی اور ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کا خواب دیکھنے لگا تھا۔ اسے پہلے ایران سے لڑا کر کمزور کیا گیا، پھر عراق پر انتہائی لغو اور بے ہودہ الزامات لگا کر اس کا بھرکس نکال دیا اور وہاں ایسی کٹھ پتلی حکومت قائم کی جو قومی دولت کو امریکا اور اسرائیل پر لٹا رہی ہے۔ صدام دور کا دشمن عراق اب دوست بن کر اسرائیل کو براہِ راست تیل سپلائی کرتا ہے۔ سعودی عرب میں تمام تر حکومتی جدوجہد اور وسائل کا استعمال سعودی بادشاہت کے تحفظ کے لیے کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ سعودی عرب اسرائیل کا ہمسایہ بھی نہیں اور ایسی فوجی و عسکری قوت کے حصول میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا جو کسی دشمن کے لیے خطرہ کا باعث بن سکے۔ لیکن اگر سعودی عرب یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسرائیل کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہے گا تو یہ انتہائی احمقانہ اور غیر منطقی سوچ ہے۔ اسرائیل ایک خاص ترتیب سے اپنے دشمنوں کو امریکا کے ہاتھوں ختم کروا رہا ہے۔ پہلے فوجی قوت کے لحاظ سے بڑے اور جغرافیائی لحاظ سے قریبی دشمنوں کو زیر کیا گیا ہے۔ اردن قریب ہے، لیکن کمزور ہے اور باادب فرمانبردار بچے کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے فی الحال اس سے صرفِ نظر کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا عرب دنیا میں اب صرف شام ہے جو مصر اور عراق کے بعد کچھ فوجی قوت بھی رکھتا ہے اور ہمسایہ بھی ہے۔ لہٰذا اس کی عسکری اور سلحی قوت کو ختم کرنا درکار ہے۔ پہلے شیعہ سنی کا مسئلہ کھڑا کر کے سعودی عرب اور ایران کو ایک دوسرے کے مخالف کھڑا کیا گیا۔ شام کے معاملے میں یہ فیکٹر بھی ہے اور ساتھ ''عرب بہار'' کی بلیک میلنگ بھی ہے، جس پر سعودی شاہی خاندان کانپ رہا ہے اور امریکا سے ہی نہیں اسرائیل سے بھی عملی تعاون کر رہا ہے۔ گویا سارا مسئلہ اسرائیل کی سلامتی اور تحفظ کا ہے۔ اگر اس کی سلامتی کو رتی بھر یا رائی برابر بھی خطرہ ہے تو عالمی امن جہنم رسید کیا جا سکتا ہے، جمہوریت کو بھی نیست و نابود کیا جا سکتا ہے، اپنی کنیز اور لونڈی اقوام متحدہ کو بھی دھتکارا

جاسکتا ہے۔حتیٰ کہ عوام کی نمائندہ کانگریس کی نافرمانی بھی کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا اسبابِ جنگ کے حوالہ سے قطعی طور پر کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔البتہ صف آرائی کے حوالہ سے یقیناً کچھ پیچیدگی ہے۔پاکستان کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو ترکی اور سعودی عرب جیسے دوست امریکا کے ساتھ کھڑے ہیں اور چین' ایران جیسے دوست شام کے ساتھ کھڑے ہیں اور اب تو پاکستان کے روس کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہیں۔امریکا اور روس اسلام دشمنی کے حوالہ سے کوئی بڑا اختلاف نہیں رکھتے۔پھر یہ کہ امریکا اگر اسرائیل کا محافظ اور جان نثار ہے تو روس کو بھی اسرائیل سے ایسی کوئی دشمنی نہیں ہے۔لیکن روس شام کے حوالہ سے امریکا کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ Not even one step further اور اسرائیل کے زبردست احتجاج اور عملی کوششوں کے باوجود روس نے جدید ترین میزائل شام کو تھما دیے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ سوویت یونین کے حصے بخرے ہونے سے اور سرد جنگ میں امریکا سے بدترین شکست سے دوچار ہونے کے بعد روس پیوٹن کی قیادت میں حیران کن طریقے سے ایک مرتبہ پھر عالمی سطح پر اپنی حیثیت اور مقام بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ماضی کے سوویت یونین کی طرح موجودہ روس بھی عین جنگ کے دہانے پر پہنچ کر پسپائی اختیار کر لیتا ہے جیسا کہ کیوبا سے ایٹمی میزائل کے ہٹانے کے مسئلہ پر اور عرب اسرائیل جنگ کے حوالہ سے سوویت یونین نے کیا، یا اس مرتبہ وہ امریکا کے خلاف واقعتاً ڈٹ جاتا ہے۔

ڈٹ جانے کا امکان اس لیے بھی ہے کہ شام میں طرطوس کی بندرگاہ اب روس کا مشرق وسطیٰ میں آخری ٹھکانہ ہے۔اگر یہ ٹھکانہ بھی روس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر مشرق وسطیٰ میں روس کا کردار ختم ہو جاتا ہے اور امریکا کی عالمی بادشاہت روس کے عالمی اور علاقائی مفادات کے سامنے دیوار بنی رہے گی۔ ہماری رائے میں امریکا شام کے خلاف کوئی زمینی کارروائی نہیں کرے گا، البتہ سرجیکل سٹرائیکس کے بھرپور امکانات ہیں بلکہ انہیں یقینی قرار دیا جاسکتا ہے۔

ایک اور بات قارئین پر واضح رہنی چاہیے کہ امریکی حملہ میں شام کے ہوائی اڈوں اور اسلحہ خانوں کو فوکس کیا جائے گا۔امریکا شام کی فوجی قوت کو تباہ و برباد کر دے گا لیکن اس کی خواہش ہوگی کہ بشار الاسد کے مخالفین بھی واضح اور مکمل فتح حاصل نہ کر سکیں اور خانہ جنگی جاری رہے۔اس لیے کہ بشار الاسد کا طاقتور حریف تو النصرہ فرنٹ ہے جو اسلامی ایجنڈا رکھتا ہے اور اسے القاعدہ اور دوسری جہادی تنظیم کی مدد اور تعاون حاصل ہے۔فی الحال اسرائیل کا مسئلہ حل کیا جائے گا اور وہ تمام اسلحہ تباہ کر دیا جائے گا جو اسرائیل کی سلامتی کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔پھر جہادی تنظیم سے سعودی عرب اور عرب امارات کی مدد سے نمٹا جائے گا۔جغرافیائی لحاظ سے قریب کی اسرائیل دشمن قوتوں کا تیاپانچہ کرنے کے بعد بیرون عرب اسرائیل کا دشمن پاکستان ہے، جو ایٹمی قوت کا حامل ہے۔اسرائیل یہ سمجھتا ہے کہ امریکا نے چاہے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے پاکستان کو ایٹمی قوت بننے سے بزور بازو نہیں روکا تاہم یہ امریکا کی ایک بہت بڑی غلطی بلکہ ایک بہت بڑا جرم ہے جو امریکا سے سرزد ہوا ہے۔اب اسرائیل کی خواہش ہے کہ امریکا اس جرم کی تلافی کرے۔

گزشتہ ربع صدی سے امریکا کا طرزِ عمل یہ ہے کہ ایک اسلامی ملک پر حملہ کرتا ہے اور دوسرے پر الزامات تراشی کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔اس کام کے لیے وہ اپنے میڈیا کا خوب استعمال کرتا ہے۔واشنگٹن پوسٹ کے ذریعے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کی نگرانی کا ذکر جس انداز میں کیا گیا ہے وہ امریکا کے مذموم ارادوں کو ظاہر کرتا ہے۔ہم جتنی چاہیں یقین دہانیاں کراتے رہیں کہ ایٹمی اثاثے انتہا پسندوں کے ہاتھ نہیں لگ سکتے امریکا جب تک پاکستان کے حوالے سے ہوم ورک مکمل نہیں کر لیتا اور جب تک افغانستان میں اسے پاکستان کی ضرورت ہے صرف اس وقت تک ہی ان یقین دہانیوں پر اعتماد کرے گا۔ پاکستان کے معاملے میں اسے خود کچھ کم ہی کرنا پڑے گا۔ وہ بھارتی کندھے استعمال کر سکتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارا داخلی انتشار ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔پرائی آگ میں کود کر ہم نے اپنے تن اور دھن کو جس طرح جلایا ہے اس کی تلافی کے لیے کچھ نہیں کیا جا رہا۔کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ امریکی جنگ سے باہر نکلا جائے' داخلی انتشار سے نکلنے کے حوالہ سے یہ اہم ترین قدم ہوگا۔اپنی چھیاسٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے اور اپنی غلطیوں کی نشان دہی کی جائے۔ ہماری رائے میں ہماری ہمالیائی غلطی یہ تھی کہ ہم صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے اور کج روی اختیار کر لی۔تحریک پاکستان میں لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لگایا گیا۔پھر 1949ء میں قراردادِ مقاصد منظور کر لی۔1951ء میں ملک بھر کے تمام مسالک کے 31 علماء نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے 22 نکاتی مشترکہ اور متفقہ مسودہ تیار کر لیا، لیکن زر زمین اور کرسی کی ہوس نے ہمیں غلط راہ پر ڈال دیا۔بہرحال قوموں کی زندگی میں چھیاسٹھ سال بہت زیادہ نہیں ہوتے،آج بھی اگر ہم راہِ راست پر آ جائیں اور پاکستان کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا عزم کر لیں تو یہ صبح کے بھولے کے شام کو واپس گھر لوٹنے کے مصداق بات ہوگی۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

غزوۂ اُحد اور موجودہ حالات میں ہمارے لیے راہنمائی

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 23 اگست 2013ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[خطبۂ مسنونہ اور تلاوت آیات قرآنی کے بعد]

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورۂ آل عمران کی چند آیات تلاوت کی ہیں۔ یہ اس سورت کے 13 ویں رکوع کی ابتدائی آیات ہیں۔ ان آیات کا اساسی مضمون غزوۂ احد ہے جو نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک بہت اہم واقعہ ہے۔ اگرچہ اس غزوہ کی تاریخ بارے اختلافات ہیں، تاہم ایک واضح رائے یہ ہے کہ یہ 15 شوال کو ہوئی اور ہفتہ کا دن تھا۔ آج بھی 15 شوال ہے۔ لہٰذا موقع کی مناسبت سے میں نے آج کی گفتگو کے لئے غزوۂ احد کا انتخاب کیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ الحدید پر گفتگو ہو رہی تھی اور ہم اس کی 25 ویں آیت پر پہنچے تھے۔ غزوات کے موضوع کا اس آیت کے مضمون کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ حضور ﷺ رحمۃ للعالمینؐ ہیں، لیکن آپؐ نے ہاتھ میں تلوار کیوں لی؟ کیوں بہت سے غزوات ہوئے؟ اس لئے کہ آپ کو غلبۂ دین حق کا مشن دیا گیا تھا۔ دین حق کو غالب کرنے کے راستے میں باطل نظام کے محافظ بہر حال رکاوٹ بنتے ہیں، جن کی سرکوبی کے لئے قوت کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔ سورۃ الحدید کی محولہ آیت 25 میں رسولوں کی بعثت کے ضمن میں کتاب و میزان کے نزول کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ لوہے کے نزول کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے کہ لوہے کی قوت کے بغیر باطل سرنگوں نہیں ہوتا۔ قیام عدل اور نصب میزان میں باطل نظام کے پروردہ لوگ لازماً رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ وہ کبھی نظام حق کے لیے راستہ نہیں چھوڑتے۔ ہر باطل نظام میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو باطل نظام کو اعلیٰ ترین بنا کر دکھاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے روس کو شکست دینے کے بعد امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور بن گیا تو اُس کی جانب سے کہا جانے لگا کہ اب اصل نظام ہی وہ ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے اور یہی نظام اب پوری دنیا میں چلے گا۔ اس پر کتابیں شائع ہونا شروع ہوئیں کہ ہمارا نظام سب سے اعلیٰ ہے۔ پروفیسر ہنٹنگٹن اور فوکویاما نے یہاں تک کہا کہ اس سے بہتر نظام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اب یہی نظام قیامت تک چلے گا۔ انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ہمارے نظام کا اصل حریف اسلامی نظام اور خلافت ہے، جس کے قیام کا راستہ بہر صورت روکا جائے۔ اِسی لئے آج جو لوگ بھی نظام خلافت کا نام لیتے ہیں، وہ دہشت گرد ٹھہرتے ہیں۔ یہ کام فرعون نے بھی کیا تھا۔ وہ بھی اپنے نظام کو اعلیٰ و برتر قرار دیتا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتا تھا۔ فرعونی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں، اور تمہارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے بھائی ہمارے مثالی نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اُن کے خطرے کا سدباب لازمی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے بھی جب دعوت حق پیش کی، تو قریش کو اپنا باطل نظام معرض خطر میں دکھائی دیا اور اُس کے تحفظ کی فکر دامن گیر ہوئی۔ کفار یہ کہتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کی بات مان لی تو کھائیں گے کہاں سے۔ ہمیں تو ان بتوں کی وجہ سے ہر طرف سے نذرانے ملتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے ہماری تجارتی شاہراہ محفوظ ہے اور کوئی شخص ہمارے تجارتی قافلوں پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ ہماری معاشی اجارہ داری قائم ہے۔ اگر ہم نے آپؐ کی بات مان لی تو ہم تو اچک لیے جائیں گے، ہم معاشی طور پر بدحال ہو جائیں گے۔ پھر زمین میں ہمارا کوئی پُرسان حال نہیں ہوگا۔ یعنی ایشو یہی تھا کہ دعوت حق سے ہمارے نظام کو خطرہ لاحق ہے۔ پس باطل نظام کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا، وہ حق کا راستہ روکتا ہے۔ اور ہر وہ نظام باطل ہے جو اللہ کے نظام کے مقابل ہو۔ زمین پر حق حاکمیت صرف اللہ کا ہے۔ جو شخص بھی اللہ کے قانون کو چھوڑ کر دنیا میں اپنا قانون چلاتا ہے وہ غاصب، باغی اور طاغوت ہے۔ طاغوتی قوتیں کبھی نہیں چاہتیں کہ زمین پر اللہ کا عطا کردہ نظام غالب ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان قوتوں کو فولاد کی قوت ہاتھ میں لے کر کچل دیا۔ حضور ﷺ کے دور میں بھی قتال کا مرحلہ آیا۔ ہاں یہ نہیں تھا کہ آپؐ نے پہلے دن سے ہی جب آپؐ کے قریش مکہ کو دعوت ایمان دی اور ساتھ ہی تلوار ہاتھ میں لے لی۔ نہیں! بلکہ تلوار آپؐ کے ہاتھ میں ہجرت مدینہ کے بعد آئی۔ مکی زندگی میں آپؐ نے لوگوں کو دعوت دی، اُن تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ کلام الٰہی کے ذریعے اُن کے دلوں کو مسخر کیا اور ایک ایسی جماعت تیار کی جو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے نظام کی وفادار تھی۔ وہ جماعت جب وجود میں آگئی تب آپؐ نے اُسے باطل سے ٹکرایا۔ ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیئے، تب غزوۂ بدر ہوا۔ دعوت کے مرحلے میں تو ہاتھ اُٹھانے کی بھی اجازت نہیں تھی، حکم تھا ”اپنے ہاتھوں کو (جنگ سے) روکے رہو۔“

قتال کا یہ مرحلہ ہر رسول کی دعوت کے ساتھ بہر حال آتا ہے۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ مرحلہ 2 ہجری میں آیا جب حق و باطل کا پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہوا۔ اس غزوہ میں مادی اعتبار سے مسلمانوں اور کفار کی طاقت میں کوئی نسبت نہ تھی، مگر اللہ کی مدد آئی اور 313 نہتے اسلامی لشکر نے ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کفار کا مقابلہ کیا اور عبرت ناک شکست دی۔ کفار کے ستر بڑے بڑے افراد مارے گئے، جس سے اُن کی کمر ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں میں سے صرف 14 صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

اِس کے اگلے ہی سال شوال 3 ہجری میں غزوۂ احد ہوا۔ مشرکین مکہ کے ایک لشکر جرار نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ دراصل مکہ والوں نے غزوۂ بدر کے بعد ایک دن بھی چین اور آرام سے نہیں گزارا۔ اُن میں انتقامی جذبات لاوے کی طرح کھول رہے تھے۔ ابوسفیان نے قسم کھالی تھی کہ جب تک مقتولینِ بدر کا

انتقام نہیں لیا جائے گا‘ نہ خوشبو لگاؤں گا‘ نہ چارپائی پر سوؤں گا۔ چنانچہ معرکہ بدر کے بعد ہی اہل مکہ نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں سے ایک بھرپور جنگ لڑ کر اپنی شکست اور اشراف کے قتل کا بدلہ لیں اور اپنے غیظ و غضب کو تسکین دیں۔ اس کے ساتھ اِس طرح کی معرکہ آرائی کے لیے تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد کفار کے تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ قریش اپنی اور اپنے حلیفوں کی جو ممکنہ قوت اور طاقت جمع کر کے لا سکتے تھے وہ لے کر میدان میں آ گئے۔

اس موقع پر بھی نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مشاورت منعقد فرمائی کہ اندریں حالات کیا حکمت عملی اختیار کیا جائے‘ جبکہ تین ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے آ رہا ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتی رائے تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عجیب اتفاق ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی رائے بھی یہی تھی۔ لیکن ایک تو اکابر صحابہ ؓ میں سے بعض حضرات کھلے میدان میں جنگ کرنے کے حامی تھے‘ جن میں حضرت حمزہ ؓ کا بھی نام شامل ہے۔ دوسرے یہ کہ نوجوانوں کی طرف سے بھی یہی مطالبہ تھا‘ خاص طور پر ان حضرات کی طرف سے جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے‘ کیونکہ غزوۂ بدر کے موقع پر نفیرِ عام نہیں تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب ؓ کی اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ فرما دیا کہ کھلے میدان میں جنگ ہو گی۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک ہزار کی نفری لے کر مدینہ سے جبل اُحد کی جانب کوچ فرمایا‘ لیکن راستے ہی میں عبد اللہ بن اُبی تین سو افراد کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے کر چلا گیا کہ جب ہمارے مشورے پر عمل نہیں ہوتا اور ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم ساتھ کیوں دیں اور اپنی جان جوکھوں میں کیوں ڈالیں؟ یہ پہلا چرکہ تھا جو مسلمانوں کو لگا۔ اس سے مسلمانوں کی جو نفسیاتی کیفیت ہوئی ہو گی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اب آپ اندازہ کیجیے کہ مدنی دور کے قریباً اڑھائی سال کے اندر اندر جنگ کے قابل مسلمانوں کی کل نفری کا لگ بھگ ایک تہائی حصہ منافقین پر مشتمل ہو چکا تھا۔ کہاں وہ تین ہزار کا لشکر اور کہاں یہ سات سو افراد! قریش کے ساتھ سواری اور بار برداری کے لیے تین ہزار اونٹ دو سو گھوڑوں کا رسالہ بھی تھا۔ عرب کے اس دور کے حالات کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات تھی۔ دو سو گھڑ سواروں کا دستہ اور ان پر خالد بن ولید بن مغیرہ سپہ سالار تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے اُحد پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھا اور اس کے دامن میں صفیں بنوائیں۔ سامنے مشرکین تھے۔ جبل اُحد کے ساتھ ایک دَرہ ایسا تھا کہ اُحد کے پیچھے سے چکر لگا کر اس درہ سے گزر کر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ ہو سکتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں اِدھر سے حملہ نہ ہو جائے‘ اس درہ پر پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبد اللہ بن جبیر ؓ کی سرکردگی میں تعینات فرمایا۔ حضور ﷺ نے نہایت تاکیدی اسلوب سے فرمایا کہ تم لوگ یہاں سے نہیں ہلنا۔ اگر ہم سب ہلاک ہو جائیں اور تم یہ دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی تم لوگ یہاں سے نہ ہٹنا۔ آپ اس تاکید اور شدت کا اندازہ کیجیے جو اس حکم میں نظر آتی ہے۔ جنگ شروع

پریس ریلیز 31 اگست 2013ء — **حافظ عاکف سعید**

ہم نہ شامی حکومت کے وحشیانہ اقدامات کی تائید کرتے ہیں اور نہ کسی مسلمان ملک پر بیرونی حملے ہی کی حمایت کرتے ہیں

وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ مسلمان حکمران سعودی اور ایرانی تنازعات کو حل کروانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ان تنازعات کی وجہ سے مسلمان ممالک کی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار ملی یکجہتی کونسل پاکستان کے قائم مقام صدر حافظ عاکف سعید نے اپنے ایک اخباری بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ دینی تنظیموں کو ان تنازعات میں سے کسی ایک کا حلیف نہیں بننا چاہیے۔ ان تنازعات کی وجہ سے غیر مسلم طاقتوں کو مسلمان ممالک میں فوج کشی کا موقع مل رہا ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ سیاسی اختلافات کو مذہبی اور فرقہ وارانہ رنگ دینے سے گریز کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر باعث شرم ہے کہ بعض مقامات پر سیاسی اختلافات کو مذہبی رنگ دیا گیا ہے اور مقدس مقامات پر حملے کرائے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نہ شامی حکومت کے وحشیانہ اقدامات کی تائید کرتے ہیں اور نہ کسی مسلمان ملک پر بیرونی حملے ہی کی حمایت کرتے ہیں۔ عالم اسلام کا مفاد اسی میں ہے کہ مسلمان ممالک فوری مداخلت کر کے شام کے مسئلے کا سیاسی حل تلاش کریں۔

پریس ریلیز 6 ستمبر 2013ء

شام کے عوام خصوصاً سنی اکثریت پر بشار الاسد کے مظالم کے خاتمہ کے لئے مسلم ممالک آگے بڑھیں، امریکا کو مداخلت کا کوئی حق نہیں

او آئی سی اور عرب لیگ سعودی عرب اور ایران کے درمیان مصالحت کرائیں، تاکہ دشمنان اسلام اُن کی باہمی مخاصمت سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں

امت مسلمہ کا انتشار امریکہ کے جنگی جنون اور دہشت گردانہ کارروائیوں کا موجب بن رہا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ مختلف مسلم ممالک میں تباہی و بربادی پھیلانے کے بعد امریکہ نے شام کا رخ کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شام کا حکمران اسد خاندان اپنے عوام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ خصوصاً سنی اکثریت اِس خاندان کے جبر و تشدد کا نشانہ بن رہی ہے۔ لیکن امریکا کو اِس معاملے میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلم ممالک اس حوالہ سے آگے بڑھتے اور سیاسی انداز میں مصالحتی کردار ادا کرتے ہوئے شام میں امن و امان قائم کیا جاتا۔ اُنہوں نے کہا کہ امریکہ مسلم ممالک میں فرقہ وارانہ تشدد کا بیج بو کر انتشار پیدا کر رہا ہے۔ جس کی واضح مثال سعودی عرب اور ایران کے تنازعات ہیں۔ اُنہوں نے OIC اور عرب لیگ سے اپیل کی کہ وہ آگے بڑھیں اور سعودی عرب اور ایران کے درمیان مصالحت کروادیں، تاکہ دشمنان اسلام ان کی باہمی مخاصمت سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے حکومت پاکستان کی طلب کردہ آل پارٹیز کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں خیالات کی ہم آہنگی اور مشورہ کے لیے تمام سیاست دانوں کا مل بیٹھنا اچھا امر ہے لیکن یہ کانفرنس ماضی کی طرح محض نشستند، گفتند اور برخاستند والا معاملہ نہ ہو۔ بلکہ امن و امان قائم کرنے اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کوئی عملی کارروائی ہونی چاہیے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی، پاکستان)

ہوئی تو پہلے ہی حملے میں اللہ کی مدد ونصرت آئی اور بالکل بدر کا سا نقشہ سامنے آ گیا۔ مشرکین کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کیا۔ کچھ مسلمان کفار کا تعاقب کر رہے تھے اور اکثر مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے تھے۔

ادھر جو صحابہ کرام ؓ درہ پر تعینات تھے ان میں اختلاف رائے ہو گیا۔ ان پچاس تیر اندازوں میں سے اکثر نے کہا کہ چلو ہم بھی چلیں' مال غنیمت جمع کریں' اب تو فتح ہو گئی ہے۔ ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ نے فرمایا ''ہر گز نہیں' حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں سے نہ ہلنا' لہٰذا میں کسی کو اجازت نہیں دیتا''۔ لیکن ہوا یہ کہ اکثر نے اپنے کمانڈر کی بات نہ مانی اور اس درے کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح شکست میں بدل گئی۔ انہوں نے آپؐ کے حکم کی یہ تاویل کی کہ حضور ﷺ نے تو شکست کی صورت میں اتنا زور دیا تھا کہ چاہے ہم سب ہلاک ہو جائیں اور تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی تم یہاں سے مت ہٹنا۔ اب تو فتح ہو گئی ہے' لہٰذا اب یہاں سے ہلنے میں کیا حرج ہے۔ بہرحال نظم کی خلاف ورزی اور موجود الوقت امیر کی نافرمانی ہو گئی' جس کی سزا کیا ملی! یہ کہ خالد بن ولید نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے' درہ خالی دیکھ کر اُحد کی پشت کا چکر کاٹا اور دو سو گھڑ سواروں کا دستہ لے کر اس درہ سے مسلمانوں کی پیٹھ سے اُن پر حملہ آور ہو گئے جس سے یکلخت جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ حالانکہ اِس سے پہلے کفار کی فوج مار کھا چکی تھی' اور اُسے شکست ہو گئی تھی۔ درہ پر صرف پندرہ تیر انداز رہ گئے تھے' لہٰذا ان کے لئے دو سو گھڑ سواروں کو اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے یا تلواروں سے روکنا ممکن نہیں تھا۔ پچاس کی نفری برقرار رہتی تو خالد بن ولید کا اپنے دستہ کے ساتھ درہ کو پار کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہاں پندرہ کے پندرہ اصحاب رسولؐ نے جام شہادت نوش فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم۔ خالد بن ولید کے اس عقبی حملہ نے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا۔ ان کی صفیں تو پہلے ہی درہم برہم تھیں' کچھ لوگ کفار کا پیچھا کر رہے تھے اور اکثر مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ بھاگنے والے کفار نے جب خالد بن ولید اور اس کے دستہ کے لوگوں کے نعرے سنے تو انہوں نے پلٹ کر زوردار حملہ کر دیا۔ اب مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئے اور فتح شکست سے بدل گئی۔

سورۂ آل عمران میں اس صورت حال کے بارے میں فرمایا:

''(مسلمانو! تم اپنی شکست کا اللہ کو کوئی الزام نہیں دے سکتے) اللہ نے تو (تائید ونصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ پورا کر دکھایا تھا' جبکہ (ابتدا میں) تم اس کے حکم سے اپنے دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ مگر جب تم ڈھیلے پڑے (تم نے کمزوری دکھائی) اور تم نے معاملہ میں اختلاف کیا' اور تم اپنے امیر کی حکم عدولی کر بیٹھے' بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھائی یعنی فتح جو تمہیں محبوب تھی اس لئے کہ تم' میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا' تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔'' (آیت:152)

اس دوران میں حضور ﷺ پر بھی سخت ترین وقت آیا۔ ایک کافر نے آپؐ پر تلوار ماری' جس کی وجہ سے خود کی کڑیاں آپؐ کے چہرہ اقدس کے اندر دھنس گئیں۔ کفار آپؐ پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔ چند صحابہؓ آپؐ کی حفاظت کر رہے تھے۔ مسلمان سب منتشر ہو گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔ خود کی کڑیاں دھنسنے سے آپؐ کے چہرۂ انور سے اتنا خون نکلا کہ بے ہوش ہو گئے' اور کچھ دیر کے لیے خبر اُڑ گئی کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ اس پر مسلمانوں کے حوصلے اور بھی پست ہو گئے۔ ٹریجڈی آگے سے آگے بڑھتی رہی' لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سہارا دیا۔ اللہ نے اہل ایمان پر تھوڑی دیر کے لیے ایک نیند اور اونگھ کی کیفیت طاری کر دی۔ یہاں تک کہ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ہم سے تلوار بھی نہیں اُٹھ رہی تھی۔ چند لمحوں کے لیے یہ اونگھ کی کیفیت رہی' جس سے مسلمان تازہ دم ہو گئے' اور انہوں نے ایک مرتبہ پھر کفار کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا' اور انہیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کیا۔

مسلمانوں کو جو چرکہ لگا دراصل اُس سے انہیں ایک ٹریننگ اور سبق دینا مقصود تھا کہ آئندہ کے لیے نظم کے معاملے ایسی کوتاہی نہ کرنا۔ اس میں اور بھی بہت ساری حکمتیں تھیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس پر جو تبصرہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ

''اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان لانے والوں کو تمیز (نمایاں) کر دے اور تم میں سے بہت سے گواہ بنائے اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔'' اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن بنا دے) اور کافروں کو نابود کر دے۔'' (آل عمران)

مسلمانو! تمہیں جو چرکہ لگا ہے' وہ تمہاری سبق آموزی کے لئے ہے۔ تمہارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی چرکہ اور زخم لگ چکا ہے۔ انہوں نے تو ہمت نہیں ہاری۔ وہ میدان بدر میں اپنے ستر مقتول چھوڑ کر گئے تھے اور ستر قیدی۔ اس کے باوجود وہ تین ہزار کی نفری لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لئے آ گئے۔ تم کیوں ہمت ہار رہے ہو۔ کیوں تنگ دل ہو رہے ہو۔ یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔''

گھبراؤ نہیں! یہ نہ سمجھو کہ اللہ تمہارا حامی وناصر نہیں ہے۔ اگر اللہ تمہاری نظم کی کمزوری کے باوجود تمہیں فتح سے ہمکنار کر دیتا تو اصلاح احوال نہ حال ہوتی۔ جبکہ تمہیں تو ابھی قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو تہہ وبالا کرنا ہے۔ یقین رکھو' اگر تم یقین قلبی رکھو گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو گے تو غلبہ واقتدار تمہیں ہی ملے گا۔ یہ بھی اللہ کا وعدہ ہے۔ چاہے تمہاری تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اور تمہارے پاس اسلحہ بالکل نہ ہو۔ غزوۂ بدر میں اسلحہ کہاں تھا؟ تم تو بالکل نہتے تھے' مگر پھر بھی تمہیں فتح ملی۔ اس لئے جان لو کہ فیصلہ کن چیز عددی قوت اور اسلحہ نہیں ہے' بلکہ ایمان اور ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اللہ پر بھروسا اور اس کے دین سے سچی وفاداری ہے' جس سے اللہ کی نصرت حاصل ہوتی ہے اور جب اللہ کی مدد شامل ہو تو پھر کوئی تمہیں زیر نہیں کر سکتا۔ یہی روز اول سے قرآن اور سیرت طیبہ کا پیغام ہے۔ آج کے دور میں اس کی زندہ مثال طالبان کی فتح ہے۔ جس سے ہمارے سیاسی اور دینی قائدین نے دانستہ آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور سبق سیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا یہ ہمارے سامنے کی حقیقت نہیں ہے کہ نہتے طالبان کے ہاتھوں آج امریکہ اور نیٹو کو ذلت آمیز شکست کا سامنا ہے؟ طالبان کے پاس کون سی عسکری اور اسلحی قوت تھی؟ کیا اُن کے پاس جدید ترین ٹیکنالوجی تھی؟ خوفناک اسلحہ تھا؟ کیا انہیں عددی برتری حاصل تھی؟ کوئی شے بھی تو ان کے پاس نہیں تھی۔ اُن کے پاس تو اللہ پر ایمان اور اُس سے وفاداری کا اسلحہ تھا۔ وہ اللہ کی شریعت کے وفادار تھے اور اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے عالم کفر کے متحدہ لشکر کے سامنے ڈٹ گئے تو اللہ نے اُن کی نصرت فرمائی۔ اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔ افسوس کہ ہم اس سے سبق سیکھنے کو تیار نہیں' اور یہی رٹ لگائی جا رہی ہے کہ ہم جب تک ٹیکنالوجی میں آگے نہیں بڑھیں گے' تب تک دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ کوئی سورج کو دیکھ کر بھی دن ہونے کو نہ مانے اور یہ کہے کہ رات ہے اور نصف شب کا وقت ہے' تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ طالبان کی فتح کو دیکھ کر بھی اگر ہماری آنکھیں نہ کھلیں تو یہ بے بصیرتی کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بصیرت باطنی عطا فرمائے اور اپنے دین کے ساتھ سچی وفاداری کی توفیق دے۔ آمین

آخری فتح مری ہے مرا ایمان ہے یہ

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

آج مسلم دنیا دم سادھے شام کی قسمت کا فیصلہ دیکھنے کو برطانوی پارلیمنٹ میں بحث، عالمی چودھریوں کی بھاگ دوڑ، گفت وشنید پر آنکھیں اور کان لگائے بیٹھی ہے۔ یہ وہی عالمی میڈیا ہے جو 9/11 کے بعد سے ہمیں دنیا کے حقائق مغرب کی (یک چشمی دجالی) آنکھ سے دیکھنے کا اسیر کر چکا ہے۔ مصر میں برپا قیامت سے ہم ابھی سنبھلے نہ تھے کہ ہمیں شام کے اذیت ناک قتل عام کے مناظر سے دوچار کر دیا گیا۔ مصری عورتیں بچے بوڑھے جوان بھول جاؤ، اب تم شام چلو۔ تمہیں وہاں مصروف رکھ کر ہمیں مصر کی پکڑ دھکڑ، مظالم، اور لاپتہ اخوانی قیادت سے کما حقہ نمٹنا مطلوب ہے۔ ان مناظر میں پڑ کر اے مسلمانو! تم برما کی آتش بداماں بستیاں اور آئے دن کی اراکان مسلمانوں کی بربادیاں بھول گئے۔ ستر سالہ بدیع نے تمہیں 90 سالہ غلام اعظم کی کس مپرسی بھلا دی۔ تم ایک کے لیے مظاہرہ کرتے ہو، ہم دوسرا میدان تیا کر دیتے ہیں۔ آج برطانوی پارلیمنٹ میں انسانی المیے پر دھواں دھار تقاریر، مغربی میڈیا پر انسانی جان کی حرمت، اقوام عالم کی ذمہ داریاں، بین الاقوامی قوانین کی پاسداری کے چرچے، امن لوٹانے کے لیے شام پر فوج کشی کا ہنگام دیکھیے! شامی عوام کے لیے ہمدردی کے دریا بہہ رہے ہیں، لیکن ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھیے۔ اتنی ہی دردمندی، دلسوزی سے دنیا کو محفوظ تر بنانے کے لیے عراق میں عام تباہی کے ہتھیاروں کے ڈھول میڈیا پر پیٹ کر دھواں دھار تقاریر کی جلو میں امریکہ ٹوٹ پڑا تھا۔ جنگ کا پہلا حصہ میڈیا وار سے اور دوسرا ایئر پاور سے لڑا گیا۔ مثلاً یہ طوفان اٹھایا کہ صدام حسین 25 منٹ میں ہتھیار آپریشنل کر کے چلا سکتا ہے۔ (کل یہی منظر خدانخواستہ ایٹمی پاکستان پر ہوگا) عام تباہی کے ہتھیار پورے عراق میں ڈھونڈے سے نہ ملے۔ بعد ازاں امریکی وزیر خارجہ نے سی آئی اے کے کھاتے میں ڈال کر، اعتراف کر لیا کہ یہ سرتاسر جھوٹ تھا! ''عام تباہی کے عراقی ہتھیار'' ختم کرنے کے لیے 20 دن میں دو سو ملین پاؤنڈ کے عام تباہی کے امریکی ہتھیار گرائے گئے۔ اس جنگ کی قیمت 15 لاکھ عراقی سروں نے چکائی۔ امریکہ کی پانچوں تیل میں اور سر عراقی پائپ لائنوں میں تر گیا۔ اسرائیل محفوظ ہوگیا۔ عراقی تیل سے قیمت وصول کر کے ہیلی برٹن (نائب صدر ڈک چینی کی) اور دیگر برطانوی امریکی کمپنیوں نے تعمیر نو کے ٹھیکے سمیٹے۔ گریٹر اسرائیل کے مقصد تک رسائی کا پہلا مرحلہ سر ہوا۔ اگر ہتھیاروں کی نوعیت اور تفصیل میں جائیں تو چودہ طبق روشن ہو جائیں۔ اکیس ہزار پاؤنڈ کے MOAB، (مادر بم ہائے دوراں) یعنی Blast Air OrdinanceMassive-الیکٹرو میگنیٹک برسٹ ہتھیار، بنکر بسٹر، لیزر ہتھیار، Uranium Depleted والے ہتھیار۔ یعنی عراق (اور افغانستان) پر اس پالیسی کے تحت سب آزمایا گیا کہ 'ہم نے ہر قسم کے ہتھیار بنا رکھے ہیں۔ ہم انہیں استعمال کریں گے۔ اگر وہ کامیاب ہوجائیں اور کسی کو اس کے بارے پتہ نہ چلے تو خاموشی بہتر ہے'۔ یعنی جب چاہیں خاموش رہیں۔ پالیسی کے تحت جب فائدہ اٹھانا چاہیں، آج کی طرح ہنگامہ کھڑا کر دیں معصوم، رحم دل صورت بنا کر۔ (کیمیائی ہتھیار خود امریکہ ویت نام میں ایجنٹ اورنج اور دیگر استعمال کر چکا ہے) خلیج جنگ میں 40 ٹن ڈیپلیٹڈ یورینیم عراق میں پہلے برسایا جس سے کینسر میں 700 فیصد اضافہ ہوا۔ لہٰذا یہ جان لیجیے کہ معاملہ مغرب، امریکی وسیع تر پلاننگ کا ہے جو مسلم دنیا کے لیے وہ کیے بیٹھے ہیں۔ مسلم دوستی کا دھوکہ کس دیوانے کو ہوگا شام میں کیمیائی حملے پر دردمندی کے اظہار کے پس پردہ! 9/11 کے بعد سے شروع یہ صلیبی جنگ ایک دن کے لیے بھی نہ سیاسی تھی نہ سیکولر۔ پورے مذہبی جذبے اور جوش وخروش سے شروع کی گئی یہ جنگ (بقول بش۔۔۔ 'یہ ایک صلیبی جنگ ہے') آج قدم بہ قدم گریٹر اسرائیل کے ایجنڈے پر چل رہی ہے۔ 'بش دور میں وہائٹ ہاؤس کی صبح درس بائیبل سے ہوتی اور سرکاری طور پر اس میں شمولیت تقریباً سب پر لازم تھی!' (ڈیوڈ فرم تقریر نویس) رینڈ کارپوریشن والے اسلام کے مقامی داعیوں نے مسلم ممالک میں عوام کو قرآن و سنت کی اصل تعلیمات سے دور رکھنے کے لیے ذرائع ابلاغ پر تقاریر، ٹاک شوز، کتب، تحریروں کے انبار لگا دیے۔ اُدھر مغربی پالیسی ساز 'باب الفتن' کی احادیث پڑھ پڑھ کر جگہوں کے نام، علاقے نشان زد کر کر کے آگے بڑھتے، فوجیں، طیارے، ڈرون، بحری ناکہ بندیاں کرتے چلے گئے۔ مسلمان دانشوروں کو سیکولرازم کا ہیضہ ہوا رہا۔ جہاد دہشت گردی بن گیا۔ نصابوں سے انفال، توبہ نکال دیں۔ روشن خیالی نے دجل، فریب کے وہ سحر برپا کیے کہ مسلم عوام (ہر ملک میں) تھرکتی حسیناؤں، کیٹ واک/ ڈاگ واک، موبائل، فحش ویب سائٹس سے ماوراء دنیا کی ہر حقیقت سے بے نیاز ہوگئے۔ رہی سہی کسر ڈالروں کی یلغار نے پوری کردی۔ ادھر احادیث میں مذکور خراسان، عراق، یمن، مرکزی ہدف سعودی عرب (جو جنگِ خلیج میں فوجیں مدینہ کے قریب اتار کر جیت لیا گیا تھا) اور اب بالآخر شام پر یلغار ہے۔ یاد رہے کہ پڑھے لکھے (قرآن حدیث کی تعلیم والے) مسلمان الملحمۃ الکبریٰ احادیث سے پڑھ چکے ہیں۔ وہ جنگ عظیم جو مذکورہ علاقوں سے اٹھنے والے لشکروں کے ذریعے لڑی جائے گی اور مرکز شام ہوگا۔ یہود و نصاریٰ کے ہاں وہ 'آرمیگیڈون' کے نام سے ہے جس پر ایمان رکھتے ہوئے راسخ العقیدہ بش اور بلیئر نے مسیح (الدجال) کے آنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے اس عالمی جنگ کا ڈول ڈالا تھا۔ صدر ریگن پابندی سے اس یہودی صومعے میں حاضری دیتا تھا جہاں اسرائیل کے لیے مزید زمین کے حصول کی دعا کی جاتی۔ کلنٹن جیسے رنگ رنگیلے صدر نے کہا تھا: ''میری تمنا ہے کہ اسرائیل میں مورچہ لگا کر رائفل سے اسرائیل کے دفاع کے لیے لڑنے کی سعادت حاصل کروں'۔ اسرائیل کے دفاع کے لیے مصری فوج کو مغرب نے آج تک گودوں میں کھلایا پالا اور مسلمانوں پر بھیڑیے بنا کر چھوڑ رکھا۔ مرسی نے چند قدم اسلام کی طرف اٹھائے اور نتیجہ

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ العزیز

جامع مسجد ابوبکر صدیقؓ سعد اللہ جان کالونی، پشاور،

(عقب ایڈمور پٹرول پمپ نزد سر صاحب زادہ پبلک سکول، پرانا حاجی کیمپ، جی ٹی روڈ)

میں

29 ستمبر تا 5 اکتوبر 2013ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

مبتدی تربیتی کورس

اور

4 تا 6 اکتوبر 2013ء

(بروز جمعہ نماز عصر تا بروز اتوار نماز ظہر)

امراء و نقباء تربیتی و مشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے

زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء و نقباء متعلقہ پروگرام میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0345-9710310/0333-9244709/091-2262902

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت: (042)36316638-36366638
0332-4178275

دعائے مغفرت کی اپیل

- ادارہ قرآن اکیڈمی لاہور کے مدیر عمومی جناب محمود عالم میاں کی ہمشیرہ گزشتہ دنوں وفات پا گئیں
- حلقہ پنجاب شمالی کے مقامی امیر چودھری سلطان احمد کے برادر نسبتی وفات پا گئے
- حلقہ جنوبی پنجاب کی تنظیم، ملتان شہر کے رفیق فاروق احمد کے چچا بقضائے الٰہی وفات پا گئے
- حلقہ جنوبی پنجاب کی تنظیم ملتان شہر کے رفیق اظہر محمود شیخ کی والدہ محترمہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں
- تنظیم اسلامی پشاور غربی کے رفیق حامد محمود کے سسر بقضائے الٰہی وفات پا گئے
- اعجاز سعید (رفیق تنظیم اسلامی پتوکی) کی والدہ وفات پا گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومین اور مرحومات کی مغفرت فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

سامنے۔ مصر میں انارکی پھیلانے میں پٹرول، بجلی، گیس عوام کی بند کر دی (فوج کے آتے ہی سب کچھ بحال کیونکر ہوگیا؟) حالات بگڑنے دیے گئے، فوج نے بروقت امن بحال نہ کیا۔ مطلوبہ درجے تک فسادات پھیلا کر جواز بنایا اور بغاوت کر ڈالی! یہ مسلم ممالک میں فوجیں خود ترتیب دیتے ہیں۔ ہر افسر کی ترقی امریکہ کی مرضی سے ہوتی ہے۔ (قومی بجٹ اور) امدادی بجٹ نچھاور کر کے اسے اپنا پٹھو بنا کر پالتے ہیں۔ عالمی ایجنڈوں پر نگاہ رکھیے۔ افغانستان اور ہماری قبائلی پٹی حدیث میں مذکور 'خراسان' ہے۔ لہٰذا اس کے بچے کچھ خود ادھیڑے کچھ ہمارے ذمے رہے۔ حدیث میں مذکور 'عدن ابین' یمن میں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ڈرون حملے ہمارے خراسان کی طرح مسلسل کیے جاتے رہے ہیں۔ 'الغوطہ' حدیث میں مذکور شام کا وہ مقام ہے جو ملحمۃ میں امام مہدی کا ہیڈکوارٹر ہوگا جو اب کیمیائی حملے کا نشانہ بنا۔ بشار الاسد دجالی لشکر ہی کا حصہ ہے۔ دو سالوں سے امریکہ کی چوکیدارانہ نگاہ کے سامنے وہ ڈیڑھ لاکھ مسلمان شہید کر چکا۔ باقی کو ہمسایہ ممالک میں دربدر۔ کسی نے زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ کیا۔ اُدھر احادیث میں غزوۂ ہند کا تذکرہ بھی ہمراہ ہے جس کے لیے یہود و ہنود گٹھ جوڑ کے تحت بھارت کو مضبوط اور پاکستان کو کمزور تر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ پاکستان کو کشمیر سے بے نیاز کیا۔ بنگلہ دیش، برما کے مسلمانوں سے جو خدشات اُدھر ممکن تھے ان سے بھی عالمی چودھریوں کی آشیرباد سے نمٹ لیا گیا۔ ہم سیکولرازم، فلسفوں اور دانشوریوں کے جرعے پیتے رہیں۔ پاکستانی میڈیا مشرقی محاذ اور امت کو بھلا کر شام، مصر، بھارت سے آنکھیں بند کیے رنگ رلیوں میں محو ہے۔ شرق و غرب سے اٹھتے سیاہ بادل ہوشمندی کے متقاضی ہیں! تاہم آخری فتح مری ہے مرا ایمان ہے یہ!

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب شرقی کے منفرد اسرہ ساہیوال کے رفیق محمد ناصر چشتی کی والدہ دل کے عارضے میں مبتلا ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے صحت کی اپیل ہے۔

مصر کی سنگین صورتِ حال: لمحہ فکریہ

خلافت فورم میں فکر انگیز مذاکرہ

مرتب: وسیم احمد

مہمانانِ گرامی:
عبدالغفار عزیز (سربراہ، امورِ خارجہ، جماعت اسلامی)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

سوال: کہا یہ جا رہا ہے کہ مصر کی سنگین صورتِ حال کا اصل ذمہ دار امریکا اور اسرائیل ہیں۔ یہ بتائیے کہ امریکا اور اسرائیل کے مصر سے کیا مفادات وابستہ ہیں؟

عبدالغفار عزیز: مصر نہ صرف عالم عرب بلکہ مشرق وسطیٰ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات بھی ساری دنیا جانتی ہے کہ عالمی پالیسیوں کا مرکز و محور اسرائیل کی سلامتی اور دفاع ہے۔ مصر کو تاریخی طور پر اس پورے خطے میں ruler کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ فلسطین کا ایک بڑا حصہ (خصوصاً غزہ کی پٹی) مصر کے زیر انتظام تھا، اس لیے مصر کو اپنی مٹھی میں رکھنا اسرائیل کے دفاع کا لازمی جزو ہے۔ 1972ء میں جب کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ہوا اس معاہدے میں صرف یہ نہیں تھا کہ مصر اسرائیل کو تسلیم کر لے بلکہ اس میں بہت ساری شقیں ایسی تھیں جن کے ذریعے اسرائیل نے یقینی بنایا کہ مصر اس کی مٹھی میں رہے۔ اس وقت سے آج تک اس معاہدے کے تحت مقبوضہ فلسطین (جسے اسرائیل کا نام دیا گیا ہے) کے پڑوس میں واقع پوری وادیٔ سینا میں جو مصر کا حصہ ہے، مصر خود اپنی فوج داخل نہیں کر سکتا۔ اس معاہدے میں یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ مصر مقبوضہ فلسطین سے ملحقہ علاقوں میں کتنی فوج رکھ سکتا ہے۔ مصر میں اب جو قتل عام کیا گیا ہے، جس کی بنیاد جنرل سیسی نے یہ بیان کی کہ یہ دہشت گرد تھے، مصری فوج نے اس کو cover کرنے کے لیے ایک کارروائی کی اور کہا کہ عریش کے علاقے میں جو فلسطین کے بارڈر سے 45 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے وہاں 26 مصری فوجیوں پر انہوں نے حملہ کیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کارروائی انہوں نے خود کروائی تھی۔ بہرحال انہوں نے اس کارروائی کو جواز بنا کر کہا کہ ہم نے اسرائیل سے ان دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کی اجازت لے کر یہ قتل عام کیا ہے۔ اس سے آپ مصر پر اسرائیل کی گرفت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مصر اور اسرائیل کا جو گیس کا معاہدہ ہوا، اس میں مصر اپنی سرزمین سے نکلنے والی گیس اسرائیل کو معمولی قیمت پر دے رہا ہے جبکہ خود اپنے شہریوں کو تین گنا قیمت پر یہ گیس فراہم کرتا ہے۔ صدر مرسی کی حکومت کو گرانے کا ایک factor یہ ہے کہ مصر اسرائیل کی مٹھی سے نکل رہا تھا۔ اکتوبر 2011ء میں غزہ پر اسرائیل کا آخری حملہ ہوا تو پہلی بار اسرائیل اس بات پر مجبور ہوا کہ فلسطینیوں کی شرائط پر جنگ بندی کرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلی جنگ ہے جس میں مصر کی حکومت اسرائیل کی بجائے فلسطینیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ وگرنہ اس سے پہلے مصری حکومت اور مصری فوج ہمیشہ اسرائیل کے ساتھ کھڑی ہوتی تھی۔ اس تفصیل سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اسرائیل کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ مصر اور دیگر پڑوسی ممالک میں ان کی موافق حکومت قائم ہے یا نہیں۔ 3 جولائی کو جنرل سیسی نے منتخب حکومت کا تختہ الٹنے سے پہلے اسرائیلی حکومت کو اطلاع دی تھی کہ میں یہ کام کرنے جا رہا ہوں (یہ بات خود اسرائیلی اخبارات نے شائع کی ہے) لہٰذا اسرائیل نے امریکا اور اپنے پٹھوؤں سے کہا کہ اس کام کے دوران تمہاری طرف سے مصر پر کوئی پریشر نہیں آنا چاہیے یعنی کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بعد سے مصری فوج کو جو 1.3 بلین ڈالر امداد ملتی ہے وہ بند نہیں ہونی چاہیے وغیرہ۔ یہی وجہ ہے امریکا نے اس فوجی انقلاب اور خونریزی کے خلاف بات نہیں کی۔ صدر مرسی نے ایک سالہ دورِ اقتدار میں انتہائی بحرانی حالات کے باوجود جن معاملات پر انقلابی اقدامات اُٹھائے، ان میں مصر کو خود کفیل بنانے کا منصوبہ بھی تھا، تاکہ اُسے امریکی غلامی سے نجات ملے۔ خاص طور پر خوراک کا مسئلہ ان کے پیش نظر تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے لوگوں کی خوراک کی ضروریات پورا کرنے کے لیے مصر کو امریکا سے امداد نہ لینی پڑے۔ صدر محمد مرسی نے سوڈان کا دورہ کیا اور مصر اور سوڈان کے درمیان کئی معاہدے طے پائے۔ ایک معاہدہ یہ تھا کہ سوڈان اپنی سرزمین کا کئی لاکھ ایکڑ رقبہ مصر کے تعاون سے کاشت کر کے خوراک کا بڑا حصہ مصر کو فراہم کرے گا۔ اس معاہدہ کے ذریعے مصر خوراک کے معاملے میں خود کفیل ہو جاتا، جو اسرائیل کے حق میں نہ تھا۔

سوال: امریکا اور یورپ جمہوریت کے حق میں بہت واویلا کرتے ہیں۔ مصر میں ووٹ کی طاقت سے برسرِ اقتدار آنے والی اسلامی جماعت کی حکومت کو فوجی طاقت کے ذریعے روند دیا گیا۔ جمہوریت کے اس قتل عام پر یورپ اور امریکا خاموش کیوں ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکا اور یورپ جمہوریت کو اپنا بنیادی نظریہ اور ایمان قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس ایمان کے حوالے سے ان کی منافقت آپ کو عالم اسلام میں ہر جگہ نظر آئے گی۔ الجزائر کا معاملہ ہو، حماس کی فتح ہو یا اب مصر میں انتخابات کے ذریعے اخوان کی کامیابی کا معاملہ ہر جگہ جمہوریت کے حوالے سے ان کی منافقت اور دوہرا معیار نظر آتا ہے۔ مصر میں انہوں نے جو کیا ہے اس کی تاویلات یہ کی جا رہی ہیں کہ مرسی کی حکومت میں عیسائیوں کو شامل اقتدار نہیں کیا گیا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ عیسائیوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ مرسی کے خلاف جو مظاہرے ہوئے ہیں، اس میں ہمارا کوئی کردار نہیں ہے۔ دوسرا الزام مرسی کے اقتدار پر یہ لگایا گیا کہ انہوں نے اکثریتی ووٹ حاصل نہیں کیے۔ اگر ایسا ہے تو پھر پوری دنیا میں یہ اُصول لاگو ہونا چاہیے کہ انتخابات میں وہی کامیاب ہوگا جو 100 فی صد ووٹ حاصل کرے۔ امریکی تاویلات کی حیثیت حیلے بہانوں اور الزامات سے زیادہ کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی عمل، کوئی فوجی کارروائی، کوئی حکومت اسرائیل کے مفادات کے خلاف ہو تو امریکا اس کا راستہ روکنے کے لیے تمام اُصول و ضوابط کو پس پشت ڈال کر آگے آ جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہود کے تسلط سے نکلنا اب امریکا کے بس میں بھی نہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اسرائیل اس وقت ایسی پوزیشن میں آ چکا ہے کہ وہ امریکا کو باقاعدہ dictate کراتا ہے۔ مصر اور اسرائیل کا معاملہ اتنا قربت کا ہو چکا تھا کہ جنرل سیسی نے جس وقت فوجی کارروائی کا اعلان کیا اس وقت اسرائیل کے 6 کمانڈوز قاہرہ میں موجود تھے۔ جمہوریت کا واویلا اور بلند بانگ دعوے کرنے والوں کی مصر میں سفیر این پیٹرسن نے اس کارروائی کے آغاز سے قبل صدر مرسی سے ملاقات کی جس میں جنرل سیسی بھی موجود تھے۔ اس ملاقات میں صدر مرسی کے سامنے یہ آپشن رکھا گیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ کارروائی نہ ہو تو آپ اپنے تمام اختیارات وزیراعظم کو منتقل کر دیں۔ یہ کہاں کی جمہوریت ہے کہ آئین میں لکھا ہو کہ بااختیار صدر ہوگا اور آپ اسے زبانی طور پر dictate کرائیں کہ آپ آئین کو بائی پاس کر کے اپنے اختیارات وزیراعظم کو منتقل کر دیں۔ مصر کی مثال سے مسلم حکمرانوں کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ

امریکا بنیادی طور پر امت مسلمہ کا دشمن ہے۔ جب امریکا کسی ایک مسلمان ملک کے خلاف کارروائی کرتا ہے تو مسلمان حکمران اس کا ساتھ اس لیے دیتے ہیں کہ شاید ان کی باری نہ آئے۔ اب تک دیکھنے میں آیا ہے کہ امریکا ایک ایک کر کے مسلمان ممالک کے خلاف کارروائی کر رہا ہے۔ لہٰذا انہیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، اور اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر امریکا سے ڈکٹیشن لینے کی بجائے خود فیصلے کرنے چاہئیں۔ مسلمان کا سب سے بڑا مفاد اللہ، اس کے رسولؐ اور دین سے وفاداری اختیار کرنے میں پوشیدہ ہے۔

سوال: ڈاکٹر محمد مرسی اور اخوان کی اعلیٰ قیادت قید، حسنی مبارک رہا اور فوج نے اخوان کے ہزاروں حمایتوں کو شہید کر دیا ہے۔ آپ کے خیال میں کیا مصر خانہ جنگی کے دھانے پر کھڑا ہے؟

عبدالغفار عزیز: 3 جولائی کو جنرل سیسی نے اخوان حکومت کا تختہ اُلٹا ہے۔ 26 جون سے لاکھوں کی تعداد میں عوام اخوان حکومت کے حق میں سڑکوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ 30 جون کو سیکولر لوگوں کا ایک چھوٹا سا مظاہرہ حکومت کے خلاف ہوا تو کہا گیا کہ عوام نے حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے۔ 26 جون سے 14 اگست تک پورے ملک کے لوگ بڑے بڑے میدانوں میں حکومت کے حق میں جمع تھے اور کسی ایک کی نکسیر تک نہیں پھوٹی تھی، جبکہ کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ پرتشدد مظاہرے تھے۔ رمضان المبارک ان لوگوں نے بڑے سکون سے گزارا۔ رابعہ بصری میدان میں اتنا بڑا دھرنا تھا کہ گزشتہ پچاس دنوں میں بڑے سے بڑا کیمرہ ان کے پورے مظاہرے کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکا کیونکہ وہ میلوں میں پھیلا ہوا مجمع تھا۔ نمازیں، تراویح، سحری اور افطاری انہوں نے وہیں پر کی۔ اس پورے عرصے میں وہ پُرامن رہے۔ اس دوران تین بار فجر کی نماز میں ان پر گولیاں برسا کر سینکڑوں افراد کو شہید کیا گیا، جبکہ 14 اگست کو ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو شہید کیا گیا اور مصر کی تاریخ میں ایک وقت میں اتنا بڑا قتل عام پہلے کبھی نہیں ہوا۔ فوج کی طرف سے تشدد کا معاملہ ابھی تک جاری ہے۔ اس عرصے میں اخوان اب تک پانچ ہزار شہداء کی قربانیاں پیش کر چکے ہیں، اس کے باوجود وہ پرامن ہیں۔ یہ اسلامی تحریکوں اور مسلمانوں کے لیے ایک بڑی مثال ہے۔ ابھی حال ہی میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں تو اخوان نے سوشل میڈیا پر یہ پیغام دیا کہ ''ہمارا پُرامن رہنا ہی ہماری قوت کا اصل راز ہے۔'' ان کا کہنا ہے کہ سیسی اور اس کے آلہ کاروں کے مظالم کے مقابلے میں ہماری پالیسی وہی رہے گی جو قرآن حکیم میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے مومن بیٹے کی بیان ہوئی ہے کہ اس نے کہا تھا کہ ''اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔'' مصر میں اخوان اور فلسطین میں شیخ احمد یاسین کی سٹریٹجی کا بنیادی نکتہ یہی تھا یعنی ملک کے اندر ہم نے ایک دوسرے کی جان نہیں لینی ہے اور ہمارا جہاد بیرونی دشمن اور سرزمین پر قابض دشمن کے خلاف رہے گا۔

سوال: مصر کی موجودہ صورتِ حال کیا 1954ء کے حالات سے مشابہت رکھتی ہے؟ جبکہ اُس وقت جنرل نجیب اور جمال عبدالناصر مدمقابل تھے۔ آج مرسی اور جنرل سیسی ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہیں؟ النور پارٹی نے مرسی کے خلاف تحریک میں کیوں حصہ لیا ہے؟

عبدالغفار عزیز: بہت بنیادی فرق ہے۔ مرسی مصر کی تاریخ میں پہلے صدر ہیں، جنہیں لوگوں نے منتخب کیا ہے۔ یہ دنیا میں اپنی نوعیت کی واحد مثال ہے کہ مصر میں اس عرصہ کے دوران آٹھ بار لوگ پولنگ سٹیشن پر گئے ہیں اور مختلف مواقع پر جو ریفرنڈم ہوئے ہیں ان میں ہر بار مرسی کے حق میں ووٹ ڈالے ہیں۔ 64 سال کی فوجی ڈکٹیٹر شپ اور بڑے بڑے دینی لیڈروں سمیت قتل عام کے باوجود لوگوں کے دل سے اسلام کی محبت نہیں نکلی۔ آخری ریفرنڈم میں 64 فیصد عوام نے مرسی کے بنائے ہوئے دستور کے حق میں ووٹ دیا۔ لہٰذا قتل وغارت سے وہ عوامی قوت کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اللہ کی تائید ونصرت سے جنرل سیسی اب عوام کی مرضی کے خلاف زیادہ دیر تک حکومت میں نہیں رہ سکے گا۔ النور پارٹی کوئی ایک جماعت نہیں ہے، اگرچہ انہوں نے انتخابات میں ایک نام سے حصہ لیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر تین جماعتوں کا اتحاد تھا۔ ان میں سے صرف ''مصلح پارٹی'' نامی جماعت نے مرسی کی مخالفت کی ہے جبکہ باقی دو جماعتیں صدر مرسی کی حامی ہیں۔ جب سیسی نے تختہ اُلٹا تھا اس وقت کہا گیا تھا کہ النور پارٹی کو اقتدار میں حصہ دیا جائے گا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اب النور پارٹی کے اس گروپ میں سے بھی کچھ لوگ اپنے مؤقف سے رجوع کر رہے ہیں کہ ہمیں منتخب صدر کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ بہت جلد ان سب کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ مصر میں ایسا سیناریو پیدا ہو رہا ہے جب 25 فروری 2011ء کی طرح لوگ فوجی ڈکٹیٹر کے خلاف اکٹھے ہو جائیں گے۔

سوال: اخوان صدر عوامی حمایت سے برسرِاقتدار آئے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عدلیہ میڈیا اور طاقتور فوج نے انہیں چلنے نہ دیا؟

ایوب بیگ مرزا: مصر کی صورتِ حال سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ تبدیلی لانے کے لیے اگر مخالف قوتوں کو مکمل طور پر کرش نہ کیا جائے تو پھر یہی ہوتا ہے جو مصر میں ہوا۔ میڈیا، عدلیہ اور فوج منتخب اسلامی حکومت کے مدمقابل آ کھڑے ہوتے ہیں۔ مرسی نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے 51 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں تقریباً نصف آبادی کی حمایت حاصل تھی۔ تاہم وہ قوت کے مراکز مثلاً فوج، میڈیا اور عدلیہ سے سمجھوتا کر کے اقتدار میں آئے۔ صدر مرسی جب الیکشن میں کامیاب ہوئے تو کچھ دن خلا کی کیفیت رہی اور انہیں اقتدار منتقل نہیں کیا گیا۔ اس دوران فوج اور مرسی کے درمیان مذاکرات ہوئے، جن میں غالب گمان یہی ہے کہ مرسی کو کچھ سمجھوتے کرنے پڑے۔ میرے نزدیک ان سمجھوتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ مرسی کی حکومت مستحکم نہ ہو سکی۔ اگر مرسی الیکشن کی بجائے انقلاب کے راستے مخالف قوتوں کو کرش کر کے اقتدار میں آتے تو معاملہ بالکل مختلف ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت خود انقلابِ فرانس کا نتیجہ ہے، کسی بھی نظام کو جمہوری عمل سے بدلا نہیں جا سکتا۔ مصر کے مقابلے میں ایران کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ ایران میں بھی اسلامی حکومت آئی تھی لیکن وہ ایک انقلابی پروسیس سے گزر کر بنی تھی۔ لہٰذا امریکا اور یورپ کی شدید مخالفت کے باوجود ابھی تک وہاں مخالف قوتیں وہ صورت حال پیدا نہیں کر سکیں کہ مذہبی پارٹی کو اقتدار سے نکال دیں۔ میری رائے میں جمہوری انداز سے آپ کرپٹ لوگوں کو فارغ کر کے قدرے بہتر لوگوں کو اقتدار میں لا سکتے ہیں لیکن نظام کو بدلا نہیں جا سکتا۔ مثلاً امریکا اور برطانیہ میں دو پارٹی سسٹم ہے۔ دونوں ممالک میں ان پارٹیوں کے درمیان نظام کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً ایک ٹیکسوں کے نظام کے حوالے سے اگر اپنی اصلاحات پیش کرتا ہے تو دوسرا اپنا پروگرام دیتا ہے۔ مصر میں مسئلہ یہ ہے کہ یہاں ایک کے بعد ایک ڈکٹیٹر برسرِاقتدار آتا رہا ہے۔ پہلے جمال عبدالناصر تھا، اس کے بعد انور سادات اور حسنی مبارک اقتدار پر قابض رہے۔ اس طویل ڈکٹیٹر شپ کے بعد مرسی پہلے منتخب صدر تھے۔ یہ اپنی جگہ تبدیلی تھی اور اس میں اسلام کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ پھر لوگوں نے اسلامی اصلاحات کے حق میں بار بار ووٹ دیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ عوام کی اکثریت ملک میں اسلامی نظام چاہتی ہے۔ اگرچہ جمہوری عمل نتیجے میں دینی عناصر کو کامیابی مل گئی لیکن مخالف قوتیں ابھی کرش نہیں ہوئی تھیں لہٰذا وہ تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہو گئیں۔

عبدالغفار عزیز: اخوان کا ''قصور'' اُن کا یہ فلسفہ تھا کہ ہم اسلام اور جمہوریہ مصر کے قومی مفادات کا تحفظ کریں گے۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے بارے میں بھی ان کا یہی کہنا تھا کہ ''یہ دو ریاستوں کے درمیان معاہدہ تھا، ہم نہ صرف اس کے بلکہ تمام بین الاقوامی معاہدوں کے پابند ہیں، لیکن ہم ان تمام معاہدات کا جائزہ لیں گے اور ان

میں جو چیز ہمارے قومی مفاد سے متصادم ہے ہم پارلیمنٹ کے ذریعے اُسے تبدیل کریں گے۔'' وہ پورے ملک کو ساتھ لے کر چلنے کے خواہاں تھے، لیکن مخالف قوتوں نے پہلے دن سے طے کیا ہوا تھا کہ ان کی حکومت کو چلنے نہیں دینا۔ جن میں جرنیل، ججز، میڈیا سب شامل تھے۔ پھر بیرونی سرمایہ کی مدد انھیں حاصل تھی۔ لہٰذا ایک سال کے قلیل عرصے میں مرسی کی حکومت کو ہٹا دیا گیا۔

سوال: اخوان کے کارکنوں اور مرسی کے حامی عوام کے تمام مظاہرے پُرامن تھے مگر میڈیا نے اس حوالے سے تشدد کے واقعات رپورٹ کیے ہیں۔ اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟

عبدالغفار عزیز: ایسے واقعات ہیں جن میں اخوان کی طرف سے کچھ تشدد کا معاملہ دکھایا گیا، اخوان کو بدنام کرنے کے لیے تھے۔ مثلاً ایک واقعہ دکھایا گیا کہ دو لڑکے ایک بلڈنگ پر چڑھے تھے اور وہ اخوان کے جلوس پر پتھر پھینک رہے تھے اور اخوان کی طرف سے جوابی کارروائی کی گئی۔ اخوان نے ثبوت دیا کہ جس شخص نے ان لڑکوں پر جوابی کارروائی کی اس کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ حکومتی ایجنسیوں کا آدمی تھا۔ ہمارا اخوان کے نمائندوں سے روزانہ رابطہ رہتا ہے۔ ان کی طرف سے ایک ایسا واقعہ بھی نہیں ہوا جس میں تشدد کا راستہ اختیار کیا گیا ہو۔ کہا گیا کہ 45 چرچ جلائے گئے اور اس کا الزام اخوان کے سر پر تھوپا جا رہا ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایسی ویڈیوز سامنے آئی ہیں کہ اخوان کے کارکن چرچوں کی حفاظت کے لیے ان کے گرد زنجیر بنا کر کھڑے ہیں۔ فوجیوں پر حملے اور چرچ جلانے جیسے واقعات سے اخوان کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسے واقعات میں ایجنسیاں ملوث ہوتی ہیں تاکہ عالمی اور مقامی سطح پر اپنے اقدامات کا جواز حاصل کیا جا سکے۔ اخوان کے ایک گرفتار راہنما نے اپنے پیغام میں کہا ہے کہ ''اگر ہمارے پاس ہتھیار ہوتے اور ہم تمہارے مظالم کا تشدد سے جواب دے سکتے تو کبھی اپنے بیٹوں کو اتنی آسانی سے تمہارے ہاتھوں قتل نہ ہونے دیتے۔ نہ ہم اتنی آسانی سے اپنے مرشد عام کو تمہارے ہاتھوں گرفتار اور تشدد کا نشانہ بننے دیتے۔ چونکہ یہ ہماری طے شدہ پالیسی ہے، اس لیے ہمارا کوئی کارکن ایسے واقعات میں ملوث نہیں۔'' یہ سب الزامات ہیں جس میں مغربی میڈیا سے زیادہ مصری میڈیا کا کردار ہے۔ مصری میڈیا نے الزام لگایا کہ صدر مرسی نے وادیٔ سینا حماس کے ہاتھ فروخت کر دی ہے۔ یہ الزام بھی لگایا کہ یہ لوگ اہرام کو تباہ کرنے جا رہے ہیں۔ یہ ابوالہول کو بت قرار دے کر افغانستان کی طالبان حکومت کی طرح اُسے مسمار کرنے جا رہے ہیں۔ کہا گیا کہ مصر اور سوڈان کے درمیان ایک علاقہ ہے جو سوڈان کو فروخت کر دیا گیا ہے۔ ایسے جھوٹے الزامات لگائے گئے کہ ان میں سے بعض کو زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہ الزامات پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں۔

سوال: کچھ لوگ یہ سوال اُٹھا رہے ہیں کہ تنظیم اسلامی کا یہ موقف کہ اسلامی انقلاب کی جدوجہد جب آخری مرحلے میں ہوگی اور حکمران فوج کو انقلابیوں پر بدترین تشدد کا حکم دیں گے تو فوج ایک حد تک تو تشدد کرے گی، لیکن پھر مزید تشدد کے لیے حکمرانوں کا حکم ماننے سے انکار کر دے گی۔ یہ سوچ مصر میں غلط ثابت ہوئی ہے، کیونکہ فوج نے تشدد کی ساری حدیں پار کر دی ہیں۔ آپ اِس بارے میں کیا کہیں گے؟

ایوب بیگ مرزا: پہلی بات تو یہ ہے کہ مصر میں الاخوان المسلمون کی حکومت کسی انقلاب کے نتیجے میں نہیں آئی، انتخابات کے ذریعے آئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمدؒ جو انقلاب اسلامی کا نبویؐ طریق کار (منہج انقلاب نبویؐ) بیان کرتے تھے اس منہج کے چھ مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ دعوت یعنی نظریے کو عام کرنا ہے۔ دوسرا مرحلہ اس دعوت کی بنیاد پر جمع ہونے والے لوگوں کو بیعت کی بنیاد پر منظم کیا جائے۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان افراد کی تربیت کی جائے۔ ان تینوں مراحل کے دوران جو تکالیف آئیں ان پر صبر کیا جائے۔ اس صبر محض کو آپ چوتھا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔ پانچواں مرحلہ اقدام کا ہے یعنی یہ منظم اور تربیت یافتہ لوگ منکرات کے خلاف پُرامن احتجاج کریں۔ مثال کے طور پر سود، عریانی، جوئے اور شراب جیسے منکرات کے خاتمے کے لیے وہ میدان میں آئیں۔ حکومت کی تبدیلی یا خاتمہ ان کا اس مرحلے میں مقصد نہیں ہوگا بلکہ وہ پرامن رہتے ہوئے حکومت کو ان منکرات کے خاتمے کے لیے مجبور کریں گے۔ ہو سکتا ہے حکومت ان کے بعض مطالبات مان لے۔ جیسے بھٹو نے عوامی دباؤ پر شراب، جوئے وغیرہ پر پابندی لگا دی تھی۔ تاہم سود اور بینکنگ سسٹم جیسے مطالبات پر معاملہ اٹک سکتا ہے۔ لہٰذا مظاہرین کے خلاف وہ طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا کہنا تھا کہ اس صورتِ حال میں تحریک کے لوگ اور قیادت پرامن رہتے ہوئے کہے گی کہ ہم اب یہ کام نہیں ہونے دیں گے خواہ ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ وہ جانیں دیں گے لیکن کسی کی جان اور املاک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ عبدالغفار عزیز صاحب نے جیسا کہ وضاحت کر دی کہ اخوان بھی مکمل طور پر پُرامن جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں، تاہم ماضی قریب میں ایران کے انقلاب کی مثال سب کے سامنے ہے کہ 10 ہزار افراد کو شہید کیا گیا، لیکن وہ پرامن رہے، لہٰذا شاہ ایران کو ملک سے بھاگنا پڑا۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے اس مرحلے میں دس بیس افراد کی ہلاکت پر فوج اپنا ہاتھ روک لے گی یا حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دے گی تو ایسا نہیں ہوگا۔ بہت بڑی تعداد اگر احتجاج یا دھرنے میں موجود ہوگی تو یقیناً فوج زیادہ دیر تک قتل عام کو جاری نہیں رکھ سکے گی۔ اس کے علاوہ پاکستان اور مصر کے حالات میں بھی فرق ہے۔ مصر میں گزشتہ 64 سالوں میں مکمل طور پر میڈیا پر پابندی تھی، اس پابندی نے لوگوں کے اذہان کو بند کر کے رکھ دیا۔ پاکستان میں بدترین ڈکٹیٹرشپ میں بھی میڈیا پر پابندی کی ایسی صورت نہ تھی۔

عبدالغفار عزیز: مصر میں جو کچھ ہوا، اس میں بھی انہوں نے سرکاری علماء سے فتوے لے کر فوجی بیرکوں میں جا کر فوجیوں کو سنائے ہیں کہ یہ دہشت گرد ہیں اور ان کا قتل جائز ہے۔ گویا فوجیوں کو اسلام کے نام پر دھوکا دے کر یہ کارروائی کروائی گئی ہے۔ میرے پاس وہ ویڈیو کلپس موجود ہیں جن میں بعض فوجیوں نے ان مواقع پر مزاحمت کی ہے۔ ایسے بہت سے فوجی جرنیلوں اور افسروں کو انہوں نے خود قتل کر دیا اور اس کا الزام اخوان پر لگا دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس ظالمانہ کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کیا تھا۔ جب سے جنرل سیسی نے تختہ اُلٹا ہے اس کے بعد سے آج تک کوئی موقع ایسا نہیں آیا ہے کہ وہ خود اپنے فوجی افسران کے سامنے آیا ہو، کیونکہ اسے خوف ہے کہ میں نے اپنی فوج کو دھوکا دیا ہے اور میں نے ان کے ہاتھوں ایک جرم کروایا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: اسلامی انقلاب کے حوالے سے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام بڑے ٹھنڈے پیٹوں قائم و نافذ ہو جائے گا تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بات حتمی ہے کہ جب قربانیاں ایک انتہا تک پہنچ جائیں گی تو فوج ہی کے لوگ ظالم حکمرانوں کے ہاتھ روکیں گے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ فلسفہ بالکل درست ثابت ہوگا کہ فوج قتل عام کو ایک حد تک برداشت کرے گی اور بالآخر اسے ہاتھ روکنا پڑیں گے۔ مصر میں بھی اخوان کی جدوجہد میں ہو سکتا ہے کہ یہ بات سامنے آئے اور فوج خود اپنی قیادت کو چھوڑ کر اخوان اور اسلام پسند عوام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس میں وقت لگ سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد بھی 23 سال جاری رہی۔ مکی دور کے ابتدائی زمانے میں صحابہؓ پر اتنا تشدد ہوا کہ وہ کہہ اُٹھے تھے کہ مدد کب آئے گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو آرے سے چیر دیا جاتا تھا، لہٰذا صبر کرو۔ بلاشبہ اسلامی انقلاب بہت قربانیاں مانگتا ہے۔ بالآخر یہ قربانیاں رنگ لائیں گی اور دین غالب ہو کر رہے گا۔ [مرتب: فرقان دانش]

پاکستان میں انسداد سود کی کاوشیں اور حکومتی کردار

تاریخی جائزہ

1969ء: اسلامی مشاورتی کونسل نے ڈھاکہ میں اپنے اجلاس منعقدہ دسمبر 1969ء میں اسٹیٹ بینک کے استفسار پر ملک میں رائج نظام بینکاری کے تحت جاری کیے جانے والے قرضوں، سیونگ سرٹیفکیٹس، پرائز بانڈز، پوسٹل لائف انشورنس اسکیم وغیرہ کو سودی قرار دیا اور علماء و ماہرین پر مشتمل ایک ایسی کمیٹی بنانے کی تجویز دی جو غیر سودی نظام معیشت کے قیام کے لیے سفارشات مرتب کر سکے۔

1973ء: دستور پاکستان کی دفعہ 37 میں طے کیا گیا کہ ملک کی اقتصادیات کو سودی لین دین سے جلد از جلد پاک کرنا ریاست کی منصبی ذمہ داری ہے۔ دستور میں واضح طور پر کہا گیا کہ 9 سال کے عرصہ میں ملک کے پورے قانونی، معاشی اور معاشرتی نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھال دیا جائے گا۔

1977ء: 29 دسمبر کو صدر ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کو غیر سودی معیشت کے قیام کے لیے سفارشات مرتب کرنے کا کام تفویض کیا۔ کونسل نے نامور ماہرین اقتصادیات اور بینکاروں پر مشتمل ایک 15 رکنی پینل قائم کیا جس نے شب و روز محنت کر کے سفارشات مرتب کیں۔

1980ء: 25 جون 1980ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی حتمی رپورٹ صدر ضیاء الحق کو پیش کی لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کوشش سے اس رپورٹ کو افادۂ عام کے لیے شائع کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس رپورٹ کا خلاصہ صدیقی ٹرسٹ (المنتظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی) نے شائع کیا۔

1981ء: ملک میں وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی لیکن یہ پابندی لگا دی گئی کہ دس سال تک ملک کے مالی معاملات عدالت کے دائرہ کار سے باہر رہیں گے۔ سود کے متبادل کے طور پر بینکوں میں مارک اپ اور PLS کھاتوں کے نام سے نظام قائم کیا گیا جسے علماء کرام نے سود ہی کی ایک صورت قرار دیا۔

1988ء: 15 جون 1988ء کو صدر ضیاء الحق نے نفاذ شریعت آرڈیننس کے ذریعے ایک اسلامی معیشت کمیشن قائم کیا اور پروفیسر ڈاکٹر احسان رشید (سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) کو اس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن نے ایک سال تک کام کیا مگر بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں اس آرڈیننس کو اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا اور یہ کمیشن بھی ختم ہو گیا۔

1991ء: نواز شریف کے حکم سے ایک کمیٹی پروفیسر خورشید احمد کی سربراہی میں غیر ملکی قرضوں سے نجات اور خود انحصاری کے لیے قائم کی گئی جس نے ایک قلیل عرصے میں خاصا کام کر کے اپنی رپورٹ 10 اپریل 1991ء کو پیش کی۔

11 مئی 1991ء کو نواز شریف حکومت نے ملکی معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے گورنر اسٹیٹ بینک کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا۔ اس کمیشن نے خاصا کام کیا مگر پھر بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت میں اس کمیشن کا کام تعطل کا شکار ہو گیا۔ نواز شریف نے اپنے اس پہلے دور حکومت میں مولانا عبدالستار خان نیازی کی قیادت میں ایک کمیٹی کو غیر سودی معیشت کے لیے سفارشات مرتب کرنے کا کام سونپا۔ اس کمیٹی نے بھی اپنی مرتب کردہ سفارشات پیش کیں۔

14 نومبر 1991ء کو وفاقی شرعی عدالت نے جسٹس تنزیل الرحمٰن کی سربراہی میں طویل سماعت کے بعد Bank Interest کو ربا قرار دیا اور حکومت کو چھ ماہ کی مہلت دی، تاکہ وہ ملکی معیشت کو سود سے پاک کر دے۔ عدالت میں سماعت کے دوران ملک کے ممتاز ماہرین معیشت، وکلاء اور علماء پیش ہوئے۔ نواز شریف حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور اگلے آٹھ سال تک اپیل کی سماعت بھی نہ ہو سکی۔ لہٰذا معاملہ تعطل کا شکار رہا۔

1999ء: سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے 1991ء کے فیصلے کے خلاف دائر کردہ حکومتی اپیل کی سماعت کی اور 23 دسمبر 1991ء کو حکومت کی اپیل کو مسترد کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی توثیق کی اور حکومت کو سود کے خاتمہ کے لیے 30 جون 2001ء تک کی مہلت دی۔ حکومت نے راز داری سے اس فیصلہ کے خلاف ایک سرکاری بینک UBL کے ذریعہ نظر ثانی کی اپیل دائر کر دی۔

2001ء: جون میں حکومت نے UBL کے ذریعہ سپریم کورٹ سے سودی معیشت کے خاتمہ کے لیے مزید مہلت طلب کی اور سپریم کورٹ نے حکومت کو مزید ایک سال کی مہلت دے دی۔

2002ء: ماہ مئی کے اوائل میں ایڈووکیٹ جنرل آف پاکستان نے اس حکومتی موقف کا اظہار کیا کہ اب حکومت ایسے علماء کی آراء سے استفادہ کرے گی جو Bank Interest کو ربا نہیں سمجھتے۔

حکومت نے اگلے قدم کے طور پر عالمی سطح کے معروف عالم دین اور فقیہہ جسٹس تقی عثمانی کو بغیر کوئی وجہ بتائے سبکدوش کر دیا اور ان کی جگہ دو غیر معروف حضرات کو سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بنچ کا جج مقرر کر دیا گیا۔ 6 جون سے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے UBL کی طرف سے دائر کردہ نظر ثانی کی اپیل کی سماعت شروع کی۔ سپریم کورٹ کے قواعد کے مطابق کسی فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی اپیل کی سماعت وہی بنچ کر سکتا ہے جس نے وہ فیصلہ دیا ہو لیکن سپریم کورٹ نے اس قاعدے کی خلاف ورزی کی اور ایک ایسے بنچ نے اپیل کی سماعت کی جو سرے سے اس کا مجاز ہی نہ تھا۔ دینی جماعتوں کے وکلاء نے پہلے روز بنچ کی تشکیل کے حوالے سے یہ اعتراض اٹھایا اور عدالت نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ سماعت سے قبل ان تمام فریقوں کو نوٹس دے جو اس سے قبل اس معاملہ میں فریق رہے۔ عدالت نے جواب دیا کہ وہ پہلے اپیل کے قابل سماعت ہونے کا جائزہ لے گی اور پھر سماعت شروع کرے گی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ سماعت کے دوران سرکاری وکلاء نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف چند نئے نکات اٹھائے۔ عدل کا تقاضا تھا کہ ان نکات کے جواب تیار کرنے اور پھر تفصیلی سماعت کے لیے عدالت علماء اور دینی جماعتوں کے وکلاء کو وقت دیتی لیکن عدالت نے عجلت سے کام لیتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔

ان للّٰہ و انا الیہ راجعون

ممنون حسین کی پوری قوم ممنون ہوگی اگر......

محمد سمیع

عزت مآب سید ممنون حسین صاحب کے منصب صدارت پر فائز ہونے پر ذہن سورۂ آل عمران میں وارد آیت 26 کی طرف مبذول ہوا جس میں فرمایا گیا ہے کہ ’’ آپ کہیں! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔‘‘ آج یہ بات میڈیا میں بڑے زوروں سے اجاگر کی جارہی ہے کہ صدر مملکت کے منصب پر آج طبقۂ اشرافیہ کی بجائے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا فرد فائز ہو چکا ہے۔ گویا صدر مملکت کے منصب پر فائز ہونے کا حق صرف اسے حاصل ہے جو طبقۂ اشرافیہ سے تعلق رکھتا ہو۔ بے شک اللہ جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کردے۔ اس کا اختیار صرف اللہ رب العزت کو ہی حاصل ہے۔ سورۃ الملک آیت 2 میں فرمایا گیا ہے: ’’اس (اللہ) نے موت وحیات کی تخلیق فرمائی تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون ہے جو اچھے عمل کرتا ہے۔‘‘ زندگی دارالامتحان ہے اور اس امتحان کا نتیجہ آخرت میں نکلنا ہے۔ اللہ کی عطا بھی ایک آزمائش ہے اور اس عطا کا واپس لے لیا جانا بھی بندے کے لئے آزمائش ہے۔ لیکن جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت 11 میں فرمایا گیا ہے کہ انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔ اُس کی اس کیفیت کا اظہار کسی نعمت کے عطا کئے جانے یا چھن جانے پر ہو جاتا ہے۔ سورۃ الفجر کی آیات 15 اور 16 میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ’’مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔‘‘ عزت عطا کئے جانے پر آدمی اترانے لگتا ہے اور جب عزت اس سے چھن جائے تو وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ رب ذوالجلال نے سورۃ الحدید کی آیات 22 اور 23 میں لوگوں پر واضح کر دیا ہے کہ: ’’کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اسے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تاکہ جو کچھ بھی تمہیں نقصان ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔‘‘ عزت مآب سید ممنون حسین کے دین سے تعلق کا بھی چرچا ہے اور ان کی کسر نفسی کا بھی۔ لہٰذا راقم کو یقین ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان میں شامل ہدایات سے وہ اچھی طرح واقف ہوں گے۔ یہ تو ان کی یاددہانی کے لئے ہے۔

اب جبکہ وہ سربراہ مملکت کے عہدے پر فائز ہو چکے ہیں، ان کے لئے امتحانات کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ان کو آئندہ کے امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار کرے۔ اس موقع پر ان کی خدمت میں قوم کا ایک بڑا مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ توقع ہے کہ وہ اس پر غور فرمائیں گے اور اس کے حل کے لئے اپنی سی سعی فرمائیں گے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ جس طرح عقیدے میں سب سے بڑا اور ناقابل معافی گناہ شرک ہے، اسی طرح عمل میں سب سے بڑا گناہ سودی لین دین ہے اور ہم سب کو اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین میں ملوث افراد کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی جانب سے جنگ کا الٹی میٹم دے رکھا ہے۔ لیکن آج بدقسمتی سے ہمارے معاشی نظام کی بنیاد ہی سود پر رکھی گئی ہے۔ آج امریکہ کی جانب سے ہم پر ڈرون حملوں کا بہت زیادہ چرچا ہے، جس کے نتیجے میں ہمارے ہاں بے گناہ جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ ہم نے ان حملوں کو روکنے کی بڑی کاوشیں کیں لیکن ایک بار پھر امریکی وزیر خارجہ نے ڈرون حملوں کو روکنے کے مطالبے کو مسترد کر دیا ہے۔ ان ڈرون حملوں کو روکنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ حملہ آور ڈرون طیاروں کو مار گرایا جائے۔ ہم ڈرون طیاروں کو گرانے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود انہیں مار گرانے سے گریزاں ہیں۔ بظاہر اس کی وجہ امریکہ کی جانب سے ہمارے خلاف جنگ کا خوف ہے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ ہم امریکہ سے خوفزدہ ہیں۔ حیرت ہے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے جنگ کے الٹی میٹم کا خوف نہیں، مگر امریکہ کا خوف ہمارے ذہنوں پر پوری طرح مسلط ہے۔ حالانکہ ہمارے پڑوس میں ایران نے ڈرون طیاروں کو مار گرایا ہے لیکن امریکہ تا حال کچھ نہیں بگاڑ سکا۔

عزت مآب سید ممنون حسین کو اللہ تعالیٰ نے مملکت کے منصب صدارت پر فائز فرما دیا۔ اُن کے سر پر وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کا دست شفقت تھا۔ اب وہ بحیثیت سربراہ مملکت وزیر اعظم کے سر پر اپنا دست شفقت رکھیں، اور انہیں قائل کریں کہ وہ قوم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے جنگ کے الٹی میٹم کی زد سے نکالیں۔ میاں نواز شریف صاحب نے وفاقی شرعی عدالت کے سود کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر کے ایک فاش غلطی کی تھی اور کیا پتہ اقتدار سے معزولی اور قید و بند کی صعوبتیں اور جلاوطنی اسی غلط فیصلے کی سزا ہو، اور کیا پتہ اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر انہیں اقتدار پر فائز کر کے اس غلطی کے ازالے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا ہو۔ انہیں قائل کیا جانا چاہئے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر جسے نام نہاد روشن خیال پرویز مشرف نے ایک سازش کے ذریعے سرد خانے میں ڈلوا دیا ہے، عمل درآمد کروائیں۔ وہ پرویز مشرف کے انجام سے سبق حاصل کریں۔ وہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو یاد کریں جس میں فرمایا گیا ہے کہ ’’تم میں سے ہر شخص راعی (چرواہا) ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت (ریوڑ) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔‘‘ اللہ تعالیٰ صدر مملکت اور وزیر اعظم سمیت ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ لیکن ہم سب یہ نہ بھولیں کہ اللہ کی حمایت اس کے دین کی حمایت کے ساتھ مشروط ہے۔

☆☆☆

سید قطب شہید

فکرِ انقلابِ اسلامی کے شارح

فرقان دانش

خاندان

آپ کا اصل نام سید ہے۔ قطب ان کا خاندانی نام ہے۔ ان کے آباؤاجداد اصلاً جزیرۃ العرب کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ وہاں سے ہجرت کر کے بالائی مصر کے علاقے میں آ کر آباد ہو گئے۔ انہی کی اولاد میں سے سید قطب کے والد بزرگوار حاجی ابراہیم قطب تھے۔ حاجی ابراہیم کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ دولڑکے سید قطب اور محمد قطب، اور تین لڑکیاں حمیدہ قطب، اور امینہ قطب۔ تیسری لڑکی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ان پانچوں بہن بھائیوں میں سید سب سے بڑے ہیں۔

حالاتِ زندگی

سید قطب 1906ء میں مصر کے ضلع اُسیوط کے موشا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ کا اسمِ گرامی فاطمہ حسین عثمان تھا۔ موصوفہ بڑی دیندار اور خدا پرست خاتون تھیں۔ انہیں قرآن مجید سے بڑا شغف تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے قرآن کے حافظ ہوں۔

تعلیمی زندگی

سید کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ اور محدود ماحول میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی دلی آرزو کے مطابق بچپن میں قرآن حفظ کر لیا۔ اس زمانے میں مصر کے دیندار گھرانوں میں حفظِ قرآن کا عام رواج تھا۔ خاص طور پر جو خاندان اپنے بچوں کو ازہر کی تعلیم دلانے کا شوق رکھتے تھے انہیں لازماً بچوں کو قرآن حفظ کرانا پڑتا تھا۔ سید کے والدین اپنے اس ہونہار اور اقبال مند بچے کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑے متفکر تھے۔ چنانچہ قدرت کی طرف سے ایسا اتفاق ہوا کہ سید کے والدین گاؤں کو چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بستی حلوان میں آ آباد ہوئے، اور یوں سید کے لیے اللہ تعالیٰ نے تعلیمی ترقی اور عروج کی راہ ہموار کر دی۔ سید قاہرہ کے ثانوی مدرسے ''تجہیزیۃ دارالعلوم'' میں داخل ہو گئے۔ اس مدرسہ میں ان طلبہ کو داخل کیا جاتا تھا جو یہاں سے فارغ ہو کر ''دارالعلوم'' (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) میں تکمیل تعلیم کرنا چاہتے تھے۔ اس دور میں جس طرح دینی و شرعی علوم کی اعلیٰ تعلیم گاہ ازہر یونیورسٹی ہے، اسی طرح دارالعلوم جدید علوم وفنون کا اعلیٰ تعلیمی ادارہ تھا۔ سید نے ''تجہیزیہ دارالعلوم'' سے فراغت حاصل کرتے ہی 1929ء میں دارالعلوم قاہرہ میں داخلہ لے لیا۔ 1933ء میں یہاں سے بی اے ایجوکیشن کی ڈگری حاصل کی، اور اپنی خداداد ذہانت کی وجہ سے اِس کالج میں پروفیسر لگا دیئے گئے۔

سرکاری ملازمت اور سفرِ امریکہ

کچھ عرصہ تک دارالعلوم قاہرہ میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔ پھر انہیں وزارتِ تعلیم میں انسپکٹر آف سکولز لگا دیا گیا۔ مصر میں یہ عہدہ بڑے اعزاز وافتخار کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ تاریخ التشریع الاسلامی کے مؤلف علامہ محمد الخضری بک جیسے فقیہہ ومؤرخ بھی اِس عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔ اسی دوران میں انہیں وزارتِ تعلیم کی طرف سے جدید طریقہ تعلیم وتربیت کے مطالعہ کے لیے امریکہ بھیجا گیا، اور دو سال کے قیام کے بعد امریکہ سے لوٹے۔ امریکہ میں ان کا قیام تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے مختلف کالجوں میں ہوا۔ واشنگٹن کے ولسن ٹیچرز کالج، گریلی کولوراڈو کے ٹیچرز کالج اور کیلی فورنیا میں اسٹان فورڈ یونیورسٹی میں ان کا قیام رہا۔ اس کے علاوہ انہیں نیویارک، شگاگو، سان فرانسسکو، لاس انجلز اور دوسرے شہروں میں بھی جانے کا موقع ملا۔ امریکہ سے واپسی پر انہوں نے انگلستان، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں بھی چند ہفتے گزارے۔ امریکہ کا مختصر قیام اس اعتبار سے اُن کے لیے بڑے خیروبرکت کا موجب ہوا کہ انہوں نے مادی زندگی کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ چنانچہ انہیں اسلام کی حقانیت و صداقت پر مزید اطمینان ہوا، اور وہ یہ یقین لے کر واپس آئے کہ انسانیت کی اصل فلاح صرف اسلام میں ہے۔

''الاخوان المسلمون'' میں شمولیت:

امریکہ سے واپس آتے ہی انہوں نے ''الاخوان المسلمون'' کی طرف توجہ دی، ان کی دعوت کا مطالعہ کیا اور بالآخر 1945ء میں وہ اخوان سے وابستہ ہو گئے۔ یہ وہ دور تھا جب دوسری عالمی جنگ ختم ہو چکی تھی اور الاخوان المسلمون کی تحریک نے عوامی پیمانے پر سیاسی مسائل میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ دورانِ جنگ انگریزوں نے آزادیٔ مصر کا جو وعدہ کیا تھا اخوان نے اُسے فوری طور پر پورا کرنے کا مطالبہ کر رکھا تھا۔ اس سے ایک طرف اگر اخوان کی مقبولیت میں اضافہ ہو گیا تھا تو دوسری طرف انگریزی استعمار اور شاہی استبداد کی ملی بھگت سے ان کے لیے تکالیف ومصائب کے نئے دروازے بھی کھل گئے تھے۔ اخوان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دو سالوں کے اندر اندر ان کے کارکنوں کی تعداد 25 لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اور عام ارکان اور ہمدردوں اور حامیوں کی تعداد اس سے بھی دوگنی تھی۔ 12 فروری 1949ء میں اخوان کے مرشد عام استاذ حسن البنا شہید کیے گئے اور جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ آزمائش کا یہ مرحلہ مصر میں فوجی انقلاب کے قیام تک جاری رہا۔ جولائی 1952ء میں فوجی انقلاب برپا ہوا جس نے بے شک الاخوان المسلمون کی آزمائش کے ایک دَور کو ختم کر دیا، مگر ساتھ ہی آلام ومصائب کا ایک اور ایسا دور شروع کر دیا کہ بقول غالب ؎

درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا

اس آزمائش کے بعد اخوان کے اندر جن لوگوں کو نمایاں اہمیت حاصل ہوئی اُن میں ایک حسن الھضیبی ہیں جو بعد میں الاخوان المسلمون کے مرشد عام منتخب ہوئے اور دوسرے عبدالقادر عودہ شہید ہیں جو جماعت کے جنرل سیکرٹری (وکیل) مقرر ہوئے۔ اور تیسرے جناب سید قطب جنہوں نے فکری میدان میں جماعت کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔

1952ء کے وسط میں الاخوان المسلمون کی تحریک دوبارہ بحال ہوئی۔ فاروق کا دورِ جبر ختم ہوا۔ اخوان کے رہنما اور کارکن جیلوں سے رہا ہوئے، اور حسن الھضیبی کی قیادت میں قافلۂ تحریک نئے ولولوں سے وقفِ سفر ہوا۔ سید قطب اخوان کے مکتب الارشاد (مجلس عاملہ) کے رُکن منتخب ہوئے۔ جماعت کے مرکزی دفتر میں انہیں شعبۂ توسیع دعوت کا رئیس (انچارج) مقرر کر دیا گیا۔ 1952ء سے پہلے تو وہ جماعت کے ایک عام رُکن تھے مگر اب ان کا شمار رہنماؤں میں ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی زندگی ہمہ تن دعوت وجہاد کے لیے وقف کر دی، اور مختلف پہلوؤں اور مختلف طریقوں سے اس تحریک کی خدمت کی۔

جولائی 1954ء میں اخوان کی ''مجلس دعوتِ اسلامی'' نے سید قطب کو جریدۃ ''الاخوان المسلمون'' کا رئیس التحریر مقرر کیا۔ موصوف

نے صرف 2 ماہ تک اس جریدے کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔10 ستمبر 1953ء کو یہ اخبار کرنل ناصر کی حکومت کی طرف سے بند کر دیا گیا، کیونکہ اس اخبار نے الاخوان المسلمون کی پالیسی کے تحت اُس ''اینگلو مصری پیکٹ'' کی مخالفت کی تھی جو 7 جولائی 1954ء کو جمال عبدالناصر اور انگریزوں کے مابین ہوا تھا۔ اس پیکٹ (معاہدہ) کے بعد اخوان اور ناصر کے مابین کشمکش کا آغاز ہو گیا، اور اخوان شدید تر دور ابتلا میں گھر گئے۔ ایک جعلی سازش کے الزام میں حکومت مصر نے الاخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اخوان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں موت کی سزائیں دی گئیں۔ ان کے ہزارہا کارکنوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا، اور ایسا محشر خیز ہنگامہ برپا ہوا کہ ہر اُس شخص کی عزت و آبرو اور جان و مال پر دست درازی کی گئی جو اخوان کے ساتھ کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق رکھتا تھا۔

ابتلا کا آغاز

ان گرفتار شدگان میں سید قطب بھی تھے۔ انہیں مصر کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ کبھی قلعہ کی جیل میں، کبھی فوجی جیل میں اور کبھی ابوزعبل کی ہولناک جیل میں۔ سید موصوف کی گرفتاری اور تعذیب کی داستان بڑی زہرہ گداز ہے۔ موصوف کے ایک شاگرد جناب یوسف العظم لکھتے ہیں: ''تعذیب کے گوناگوں پہاڑ سید قطب پر توڑے گئے۔ انہیں آگ سے داغا گیا، پولیس کے کتوں نے انہیں کچلیوں میں لے کر گھسیٹا، ان کے سر پر مسلسل کبھی گرم اور کبھی ٹھنڈا پانی انڈیلا گیا، انہیں لاتوں اور گھونسوں سے مارا گیا، دل آزار الفاظ سے ان کی توہین کی گئی۔ مگر ان سب چیزوں نے سید کے ایمان و اذعان میں اضافہ ہی کیا اور حق پر ان کے قدم مزید جم گئے۔''

عزیمت کی ایک مثال

13 جولائی 1955ء کو مصر کی ''عوامی عدالت'' (محکمہ الشعب) کی طرف سے سید قطب کو 15 سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ ''عوامی عدالت'' کا یہ فیصلہ اُن کی غیر حاضری میں سنایا گیا۔ کیونکہ موصوف اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ وہ عدالت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے۔15 سالہ قید بامشقت کا ابھی ایک سال گزرا تھا کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے ایک نمائندہ سید قطب کے پاس جیل خانے بھیجا گیا۔ اُس نے سید قطب کو یہ پیش کش کی کہ ''اگر آپ چند سطریں معافی نامہ کی لکھ دیں جنہیں اخبارات میں شائع کیا جا سکے تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا، اور جیل کے مصائب سے نجات پا کر آپ گھر کی آرام دہ زندگی سے متمتع ہو سکیں گے۔'' اس پیش کش کے جواب میں اِس مردِ مومن نے جو جواب دیا اُسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے کہا: ''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو مظلوم کو کہتے ہیں کہ ظالم سے معافی مانگ لے۔ خدا کی قسم، اگر معافی کے چند الفاظ مجھے پھانسی سے بھی نجات دے سکتے ہوں تو میں تب بھی کہنے کے لیے تیار نہ ہوں گا، اور میں اپنے رب کے حضور اس حال میں پیش ہونا پسند کروں گا کہ میں اُس سے خوش ہوں اور وہ مجھ سے خوش ہو۔''

رہائی

1964ء کے وسط تک سید قطب مصر کے مختلف جیل خانوں میں رہے۔ ابتلا کے 3 سال تو انہوں نے انتہائی اذیت اور عذاب میں گزارے، مگر بعد میں جبر و تشدد کا سلسلہ ہلکا کر دیا گیا۔ ان کے اعزہ و اقارب کو بھی ملاقات کی اجازت مل گئی، اور خود انہیں بھی جیل کے اندر اپنے علمی مشاغل جاری رکھنے کی سہولت کسی حد تک مہیا ہو گئی۔ اس جزوی سہولت سے انہوں نے پورا فائدہ اُٹھایا اور اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' کی تکمیل پر متوجہ ہو گئے۔1964ء کے وسط میں جب کہ ان کی قید کو تقریباً دس سال ہو گئے تھے اور عراق کے مرحوم صدر عبدالسلام عارف نے قاہرہ کا دورہ کیا تو صدر ناصر سے سید قطب کی رہائی کی درخواست کی۔ چنانچہ صدر ناصر نے جو عبدالسلام عارف مرحوم کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے قیام کے متمنی تھے اس درخواست کے جواب میں سید قطب کو رہا کر دیا۔ مگر اس رہائی سے عملاً کوئی فرق نہ پیدا ہوا، کیونکہ وہ برابر پولیس کی نگرانی میں رہتے تھے اور انہیں آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہ تھی۔

دوبارہ گرفتاری اور سزا

اس مقید آزادی کو ایک سال بھی نہ گزرنے پایا کہ سید قطب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ اُن پر الزام تھا کہ وہ طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے بھائی محمد قطب اور ان کی ہمشیرگان حمیدہ قطب اور امینہ قطب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان کے علاوہ بے شمار لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

تختۂ دار پر

اگست 1966ء کو سید قطب اور ان کے دو ساتھیوں کو فوجی ٹریبونل کی طرف سے موت کی سزائیں سنائی گئیں۔ ان سزاؤں پر پوری دنیا کے اندر شدید ردِ عمل ہوا۔ دینی رہنماؤں، سیاسی شخصیتوں، مذہبی اور اصلاحی تنظیموں اور اخبارات و رسائل کی طرف سے سزاؤں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی، مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور بالآخر 25 اگست 1966ء کی صبح کو یہ سزائیں نافذ کر دی گئیں۔ اور یہ بے نظیر شخصیت، جو مصر اور عرب دنیا کے الحاد پرست اور لادین عناصر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اپنے رب سے ''راضیاً مرضیاً'' جا ملی۔

جس شان سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

تصانیف ایک نظر میں

سید موصوف کی تصانیف کی تعداد 22 ہے، جن کی مکمل فہرست یہ ہے:

1- فی ظلال القرآن (قرآن کے زیر سایہ، تفسیر قرآن
2- العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اسلام کا عدل اجتماعی)
3- مشاھد القیامۃ فی القرآن (قرآن میں قیامت کے مناظر)
4- التصویر الفنی فی القرآن (قرآن کے فنی پہلو)
5- معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ (قرآن کے فنی پہلو)
6- السلام العالمی والاسلام (عالمی امن اور اسلام)
7- دراسات الاسلامیہ (اسلامی مقالات)
8- النقد الادبی: اصولہ ومناھجہ (ادبی تنقید کے اُصول و مناہج)
9- نقد کتاب مستقبل الثقافۃ (''مستقبل الثقافۃ'' پر تنقیدی نظر)
10- کتب وشخصیات (کتابیں اور شخصیتیں)
11- نحو مجتمع اسلامی (اسلامی معاشرہ کے خدوخال)
12- امریکہ التی رأیت (امریکہ جسے میں نے دیکھا)
13- اشواک (کانٹے)
14- طفل من القریۃ (گاؤں کا بچہ)
15- المدینۃ السحورۃ (سحرزدہ شہر)
16- الاطیاف الاربعۃ (چاروں بہن بھائیوں کے افکار و تخیلات کا مجموعہ)
17- القصص الدینیۃ (انبیاء کے قصے، باشتراک جودہ السحار)
18- قافلۃ الرقیق (مجموعہ اشعار)
19- حلم الفجر (مجموعہ اشعار)
20- الشاطئ المجھول (مجموعہ اشعار)
21- مھمۃ الشاعر فی الحیاۃ (زندگی کے اندر شاعر کا اصل وظیفہ)
22- معالم فی الطریق (نشانِ راہ)

''اسلام کو صفحۂ ہستی سے کیسے مٹایا جائے''

مسلمانوں کی قوت وطاقت توڑنے کے دیگر اصول

(II)

غلام خیرالبشر فاروقی

(ہمفرے کہتا ہے:......)

19۔ آزاد خیالی اور چون و چرا والی کیفیت کو مسلمانوں کے اذہان میں رائج کرنا چاہیے، تا کہ ہر آدمی آزادانہ طور پر سوچنے کے قابل ہو اور ہر کام اپنی مرضی سے انجام دے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں۔ احکام شریعت کی ترویج کا عمل متروک ہونا چاہیے۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھا جائے تو یہ کام بادشاہوں کا ہے، عوام الناس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

20۔ نسل کو کنٹرول کیا جائے اور مردوں کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ نئے قوانین وضع کر کے شادی کے مسئلہ کو دشوار بنایا جائے۔ مثلاً کسی عرب مرد کو ایرانی عورت سے اور ایرانی مرد کو عرب عورت سے شادی کی اجازت نہ دی جائے۔ اِسی طرح ''ترک'' ایرانیوں سے شادی نہ کر سکیں۔

21۔ اسلامی تعلیم کی آفاقیت کے مسئلہ کو محکم دلائل سے رد کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام اصولاً دین ہدایت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف ایک قبیلہ اور ایک قوم سے ہے۔

22۔ مساجد، مدارس، تربیتی مراکز اور اچھی بنیادوں پر قائم ہونے والی تعمیرات سے متعلق اسلام کی تمام سنتوں کو کالعدم یا کم از کم محدود کر دیا جائے۔ اس قسم کے امور کا تعلق علماء سے نہیں بلکہ سربراہان مملکت سے ہے اور جب حکومتیں اس قسم کا کام انجام دیں گی تو از خود ان کی دینی قدر و قیمت جاتی رہے گی۔

23۔ ہم پر یہ کوشش لازم ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود قرآن میں کمی بیشی کر کے لوگوں کو شک میں مبتلا کیا جائے۔ خاص طور پر کفار اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں ''توہین آمیز'' آیات نیز امر بالمعروف اور جہاد سے متعلق آیتوں کو قرآن سے حذف کیا جائے اور تحریف شدہ قرآن کو ترکی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ کر کے بازاروں میں لایا جائے۔ غیر عرب مسلم حکومتوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں قرآن، اذان اور نماز کو عربی زبان میں پڑھنے سے پرہیز کریں۔ (جیسا کہ بعد میں اتاترک نے کیا) دوسرا مسئلہ احادیث و روایات میں تشکیک پیدا کرنا ہے اور قرآن کی طرح اس میں بھی تحریف و ترجمہ سے کام لیا جائے۔

☆☆☆

مختصراً یہ کہ اس دوسری کتاب میں بھی مجھے بڑی کارآمد چیزیں دکھائی دیں۔ اس کتاب کا نام ''اسلام کو صفحہ ہستی سے کیسے مٹایا جائے'' رکھا گیا تھا۔ اس میں وہ بہترین عملی پروگرام مرتب تھے جن پر مجھے اور میرے دیگر ساتھیوں کو کام کرنا تھا۔ اس کتاب نے مجھ پر بڑا اثر قائم کیا تھا۔

کتاب کے مطالعے کے بعد میں اسے واپس کرنے نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت پہنچا جہاں دوسری مرتبہ سیکرٹری سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''جن امور کو تمہیں انجام دینا ہے اس میں تم اکیلے نہیں ہو بلکہ تقریباً پانچ ہزار سچے اور کھرے افراد مختلف گروہوں کی صورت میں تمام اسلامی ممالک میں تمہاری مدد کے لئے آمادہ ہیں۔ نو آبادیاتی علاقوں کی وزارت کا خیال ہے کہ وہ کام کی پیشرفت کے ساتھ ساتھ ان افراد کی تعداد میں اضافہ کر کے انہیں ایک لاکھ تک پہنچا دے۔ جب بھی ہمیں اس عظیم گروہ کی تشکیل میں کامیابی ہوئی یقیناً ہم تمام عالم اسلام پر چھا جائیں گے اور اسلامی آثار کو مکمل طور پر مٹا دیں گے۔

(قارئین کرام: اتنا منظم نیٹ ورک تین صدیاں قبل تھا۔ اب آپ خود اندازہ لگالیں شیطانی جال نے کتنی ہی ترقی کر لی ہوگی؟'' فاروقی)

اس کے بعد سیکرٹری نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: ''میں تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ ہم آئندہ ایک صدی میں اپنی مراد کو پہنچ جائیں گے اور اگر آج ہماری نسل اس کامیابی کو نہ دیکھ سکے تو ہماری اولادیں ضرور یہ اچھے دن دیکھیں گی اور یہ ایرانی ضرب المثل کتنی معنی خیز ہے جس میں کہا گیا ہے: کل دوسروں نے بویا ہم نے کھایا، آج ہم بو رہے ہیں کل دوسرے کھائیں گے۔

جس دن بھی عظیم برطانیہ یا (سمندروں کی ملکہ) کو اسلامی ممالک پر فتح مندی نصیب ہوئی دنیائے مسیحیت ان تمام تکالیف سے نجات پا جائے گی جسے وہ بارہ صدیوں سے برداشت کر رہی ہے۔ مسلمانوں نے اس عرصے میں ہم پر بڑی جنگیں مسلط کیں، جن میں صلیبی جنگیں بطور مثال ہیں۔ یہ جنگیں بالکل مغلوں کی یلغار کی طرح بے مقصد تھیں کہ جہاں سوائے قتل و غارت گری، ویرانی و تباہی اور لوٹ مار کے کوئی مقصد نہیں تھا۔ لیکن اسلام کے خلاف ہماری جنگ مغلوں کی طرح فوجی کارروائیوں اور قتل و غارت گری پر منحصر نہیں ہے۔ ہمیں اس کام میں جلدی بھی نہیں ہے۔ عظیم برطانیہ کی حکومت اسلام کو مٹانے کے لئے بھرپور مطالعہ کے بعد اور پوری پلاننگ ساتھ آگے بڑھے گی اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے عظیم کاموں کو بروئے کار لائے گی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی۔ البتہ ہم ضروری مواقع پر فوجی کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم اسلامی حکومتوں پر پوری طرح چھا جائیں گے اور کچھ عناصر ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو کر میدان میں اتر آئیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ استنبول کے حکمران بڑی ہوشمندی اور فطانت کے مالک ہیں اور اتنی جلد ہمیں اپنے پروگراموں میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے لیکن ہمیں ابھی سے متوسط طبقے کے بچوں کو ان اسکولوں میں تربیت دینا ہے جو ہم نے ان کے لئے قائم کیے ہیں۔ ہمیں علاقوں میں متعدد چرچ بھی بنانے ہیں۔ شراب، جوا اور شہوت رانی کو اس طرح پھیلانا ہے کہ نوجوان نسل دین و مذہب کو بھول جائے۔ ہمیں اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے درمیان اختلافات کی آگ کو بھی ہوا دینا ہے۔ ہر طرف ہرج مرج اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنا ہے۔ ارکان حکومت اور صاحبان ثروت کو حسین و جمیل اور شوخ و چنچل عیسائی عورتوں کے دام میں پھنسانا ہے اور ان کی محفلوں کو ان پری وشوں سے رونق بخشنا ہے، تا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے دینی اور سیاسی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں، لوگ ان سے بدظن ہو جائیں اور اسلام کے بارے میں ان کا ایمان کمزور ہو جائے، جس کے نتیجہ میں علماء، حکومت اور عوام کا اتحاد ٹوٹ جائے اور ایسے حالات میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ہم ان ممالک میں اسلام کی جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکیں گے۔ (بالکل ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔'' استغفراللہ)

Strange bedfellows

Irfan Hussain

WATCHING the live coverage of the House of Commons debate over the government`s motion to authorize an attack on Syria, I was reminded of the long shadow of the Iraq war. Speakers from all three major parties invoked Tony Blair`s `dodgy intelligence dossier`, and said they would not be stampeded into yet another conflict in the Middle East.

The loss of the vote late on Thursday evening was a huge setback to David Cameron, and was a useful lesson about the limits of power.

Worse than the humiliation was the knowledge that when the American strike occurs, the British won`t be among those firing volleys of cruise missiles. This will be the first time for decades when the Brits won`t be in lockstep with their senior allies. Small wonder that David Cameron`s face was redder than usual when the votes were counted. Ed Milliband, the Labor Party leader, is now a hate figure in Whitehall for pulling the rug from under the Prime Minister`s feet.

As the war drums beat ever louder, I am reminded of a conversation I had in New York at the end of 2011 when I was there on my book tour. I met a young American diplomat at a friend`s flat in Manhattan where I was staying, and got interested when he mentioned that he had just returned from the Middle East where he had spent a year studying Arabic. We got on to the subject of Syria where the Arab Spring had just broken out, and there was much excitement about the possibility of the Assad dynasty being overthrown by a coalition of secular opposition groups.

Pundits never like being wrong, but I do recall suggesting that the Syrian government`s days were numbered. I based this optimistic assessment on the fact that Iran, Syria`s biggest backer, was itself being subjected to harsh sanctions, and with falling oil revenues, would be unable to bankroll its client state for very long. Also, the Syrian economy could not sustain months of civil war. At that point, jihadi elements had not entered the fray in any significant numbers, so I suppose I was indulging in wishful thinking.

The American disagreed, and was of the view that the conflict could drag on for years. In the event, he was absolutely right: even with the Americans poised to `fire across Assad`s bows` in Obama`s words, it seems that he is reluctant to do more than send a signal. And the message is more for Iran than for the Syrian leadership. Obama wants to make it clear to the ayatollahs that he does not bluff, and just as the Syrian use of chemical weapons was a red line, so is uranium enrichment beyond a certain point.

There is a growing realization, at least in the UK, that there are no good choices in Syria, just as there are no good guys and bad guys. In fact, Edward Luttwark wrote in the New York Times

recently that it would be in the American interest to support whichever side was losing to drag on the conflict for as long as possible. He reasoned that an outright win for either side would be bad for the US, so rather than face either a jihadist victory or an Assad triumph, the Americans ought to play one off the other.

In the UK, both conservatives and leftists are against going to war, even if the military plays a limited role. This unusual consensus was reflected in the recent House of Commons debate when Labor, Tory and Lib-Dem members all united in defeating the government proposal. And this view is reflected across the country, with well over 50 per cent opposing the government`s desire to join the Americans, and less than a quarter of the population supporting it.

Apart from Iraq`s long shadow, the government is also saddled with the perception that it is acting on Washington`s bidding. Several MPs in the debate demanded to know what the hurry was, and why they had to act on a `timetable set elsewhere`. The image of Tony Blair being labeled `America`s poodle` is still etched in the public`s memory, and there is a clear sense that they no longer want to be dragged into America`s wars. Few today remember that when Saddam Hussein gassed thousands of his own Kurds as well as Iranian soldiers in the late 1980`s, the world didn`t utter a word.

When Iran demanded a UN debate, the Americans thwarted the initiative. But in those days Saddam Hussein was a friend of the West`s; indeed, his chemical weapons program was only made possible by Western-supplied technology.

And while Bashar Al-Assad`s alleged use of chemical weapons that killed around 350 civilians is clearly repulsive, what are we to say about the slaughter of well over a thousand Egyptians by the army? Here, a coup is not a coup, but the first step towards a return to democracy; a dictatorship is a transitional government; and a massacre is an internal matter for Egypt. It is this kind of hypocritical moral relativism that makes people suspicious of American motives in Syria. I have always viewed both Assads, father and son, as despotic thugs, and argued for Bashar`s swift removal from the scene when the uprising began in Syria in 2011. But the rapid transformation of the opposition into a largely jihadist/Al Qaeda front gave me pause: how will we cope with a power vacuum in Syria that is filled by heavily armed and very dangerous extremists? We should all be careful of what we wish for, and are now faced with a choice between two evils. Assad is bad enough, but what might follow him could be much worse. So when Saudi Arabia arms the Jihadis, and America fires missiles at Damascus, we are left wondering about the nature of the alliance taking shape before our eyes: the US, Israel, Saudi Arabia and Al Qaeda, all fighting shoulder to shoulder to topple Assad. Really strange bedfellows, aren’t they?

(Courtesy: DAWN)